ڈاکٹر شکیل اوج کی
علمی و دینی خدمات

تصنیف

علامہ مفتی محمد اعظم سعیدی
مہتمم جامعہ اسلامیہ کورے وال (ٹرسٹ) کراچی



مجلس التفسیر، کراچی
پوسٹ بکس نمبر 8413 یونیورسٹی آف کراچی

ڈاکٹر شکیل اوج کی علمی و دینی خدمات

تصنیف

علامہ مفتی محمد اعظم سعیدی

مہتمم جامعہ اسلامیہ کورے وال (ٹرسٹ) کراچی

مجلس التفسیر، کراچی

پوسٹ بکس نمبر 8413 یونیورسٹی آف کراچی

مجلس التفسیر، کراچی

ناشر: مجلس التفسیر، کراچی۔

طبع اول: اپریل ۱۲۱۰ء

قیمت: ۱۰۰ روپے

E-mail: sascom7@yahoo.com Cell No. 03462128329

ترتیب

حرفِ آغاز

ایک عرصہ سے ڈاکٹر پروفیسر حافظ محمد شکیل اوج صاحب زید عمرہ سے اپنی اس خواہش کا اظہار کرتا آیا ہوں کہ مختلف رسائل، جرائد، مجلات وکراسات میں مطبوعہ مقالات ومضامین کو یکجا کرکے "مقالات اوج" یا کسی اور خوبصورت نام سے ان کی طباعت کا اہتمام کیا جائے، مگر آپ دونوں کان استعمال کرتے ہوئے ایک سے سنتے اور دوسرے سے نکال دیتے ہیں، میں اپنی فہم کے مطابق اس کا سبب یہ سمجھتا ہوں کہ بسا اوقات انسان اپنے ذوق وفکر سے سچی لگن میں اتنا منہمک ہوتا ہے کہ وہ اپنی حیثیت، اہمیت وعظمت کا ادراک ہی نہیں کرپاتا، حالانکہ وہ اپنی ذات میں اسکول آف تھاٹ کا درجہ حاصل کرچکا ہوتا ہے، یہی کیفیت ڈاکٹر صاحب موصوف کی ہے کہ قرآن فہمی، قرآن سے استدلال اُن کا ذوق ہے، پھر قلم جب ان کے ذوق پاروں کو صفحہ قرطاس پر رقم کرتا ہے تو وہ قرآنی فکر کے شہ پاروں کے نام سے اہل علم کیلئے معنون ہوجاتے ہیں، بایں انہماک وہ اپنی حیثیت کے ادراک کی جانب متوجہ نہیں ہوئے، ڈاکٹر صاحب قرآن فہمی کے حوالے سے اپنی منفرد جداگانہ شناخت منواچکے ہیں اور قرآن سے قرآن فہمی ان کی شناخت بن چکی ہے، ارباب علم وفضل کا ایک معتد بہ حلقہ ان کی فکر کا اسیر ہوچکا ہے، بیرون ملک اور ملک کے طول وعرض میں ان کے خطابات وتوسیعی لیکچرز ان کے اسکول آف تھاٹ ہونے کی بین دلیل ہیں، جبکہ مختلف چینلز بھی آپ کے افکار سے اہل ذوق کو مستفید ومستفیض کرنے میں خاصی دلچسپی رکھتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے مطبوعہ مقالات ومضامین اور لیکچرز کی ایک طویل فہرست ہے جو قرآن کے تتبع میں نہ صرف جدید اندازِ فکر کے غماز ہیں بلکہ قرآن کی روشنی میں عصری چیلنجوں

کا مکمل حل بھی پیش کرتے ہیں، اسی باعث ڈاکٹر صاحب کی بکثرت تحقیقات کو اربابِ علم و دانش سے سندِ قبولیت حاصل ہے، اگرچہ چند ایک تحقیقات سے اہل مدارس نے اختلاف فرمایا ہے تو انہوں نے ایسا اپنی روایت متواترہ کے تتبع میں فرمایا ہے، نیز ایسے اختلافات سے تو کسی بھی علم و فن کے صاحبین و شیخین بھی باہم دگر محفوظ نہیں ہیں، پھر بھی بندہ ناچیز (راقم) بجوائے روایت ان علمی اختلافات کو رحمت ہی یقین کرتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اختلاف، فنِ تحقیق و تدقیق کا حُسن ہے، میں نے ایک جگہ لکھا تھا کہ فکری اختلاف علم میں اضافہ کرتا ہے بشرطیکہ اختلاف کی بنیاد مضبوط علمی استدلال پر ہو۔

ڈاکٹر صاحب کی تحریریں یکجا مطبوعہ نہ ہونے کے باعث عام بلکہ کچھ خاص قارئین کی دسترس سے بھی دور ہیں، بایں وجہ ہر آدمی ان تحقیقات سے لطف اندوز ہونے اور فائدہ اٹھانے سے قاصر ہے، یوں ڈاکٹر صاحب کے افکار کا ابلاغ اُس طرح نہیں ہو پارہا جیسا کہ چاہیے تھا، اس لئے میں نے سوچا کہ ڈاکٹر صاحب کے چند ایسے مقالات، مضامین اور توسیعی لیکچرز جو کہ عصرِ حاضر کی ضرورت کی تکمیل یا مسائلِ حاضرہ کی نمائندگی کرتے ہیں اُن کے مفہوم کو من و عن قائم رکھتے ہوئے مختصر مختصر تلخیص کر کے یکجا طبع کر دیا جائے تاکہ اربابِ علم ان کے اندازِ تحقیق اور زاویۂ فکر سے آگاہ ہوسکیں، میں نے ایمانداری سے کہیں اپنے لفظوں میں اور زیادہ تر انہیں کے لفظوں میں یہ تلخیص کی ہے، کہیں پر بھی نہ ترمیم و اضافہ کیا ہے اور نہ ہی اپنے ذاتی اتفاق و اختلاف کو مدِ نظر رکھا ہے، یعنی ڈاکٹر صاحب کے افکار من و عن رقم کئے گئے ہیں، البتہ اختصار کہیں چند سطور میں سما گیا ہے تو کہیں ذرا تفصیل سے رقم کرنا پڑا، بہرحال جو کچھ آپ مطالعہ فرما رہے ہیں یہ ڈاکٹر صاحب کی قرآنی فکر کا مطالعہ فرما رہے ہیں۔

ذلک کذلک و انا کاتب بذلک.

محمد اعظم سعیدی

(۲۳ مارچ ۲۰۱۰)

شخصیتی جائزہ مع علمی و دینی مشاغل

پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج سے میرا تعلق خاطر اس وقت سے قائم ہے جب موصوف غالباً آٹھویں کلاس میں زیرِ تعلیم تھے، اور ساتھ ہی قرآن مجید حفظ کر رہے تھے، جامع مسجد نور شاہ فیصل کالونی کے امام و خطیب اور مدرسہ نور القرآن کے صدر مدرس مولانا حافظ صالح محمد (مرحوم) کے پاس اکثر و بیشتر میں بعد نماز مغرب جایا کرتا تھا، جہاں مختلف دینی و مذہبی مسائل زیرِ بحث رہتے اور یہ بحث کبھی کبھی تکرار میں بھی بدل جاتی تھی، بحث و تکرار کا یہ سلسلہ عشاء کی اذان تک جاری رہتا، اس دوران مولانا صاحب کے تیرہ چودہ سال کے دو مودب، حاضر باش تلامذہ میں سے ایک یہی پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل اوج تھے جو ہماری گفتگو کو بڑے انہماک و توجہ سے سماعت کر رہے ہوتے تھے اور کبھی کبھی اپنے ساتھی (حافظ محمد اقبال) کی طرف دیکھ کر مسکرا بھی دیتے تھے، ڈاکٹر صاحب کی دینی، مذہبی مسائل میں انہماک و دلچسپی کا راز چند ہفتوں بعد مجھ پر یوں منکشف ہوا کہ موصوف عشاء کے بعد میرے پاس بھی آنے لگے، محفل میں موقع پاتے ہی مختلف مذہبی مسائل و معاملات پر گفتگو شروع کر دیتے جس سے مجھے یہ اندازہ ہو گیا کہ یہ لڑکا صاحبِ مطالعہ ہے چونکہ میری محفل تو ہر وقت صاحبِ مطالعہ حضرات سے ہی سجی رہتی ہے اس لئے یہ لڑکا بھی میری محبت کا حصہ دار بن گیا، پھر یہ صاحب مجھے اپنے گھر بلانے لگے، دو طرفہ آمد و رفت کا یہ سلسلہ کم و بیش تیس سال سے ہنوز جاری ہے جب کہ وہ لڑکا اب ڈاکٹر پروفیسر حافظ محمد شکیل اوج کے روپ میں ڈھل چکا ہے۔

ڈاکٹر محمد شکیل اوج کی ذہانت، لسانی طلاقت، دین سے الفت تو ان کے اسکول دور سے ہی مشہور تھی، صبح سے دوپہر تک مدرسہ میں، پھر اسکول میں پھر مغرب سے عشاء تک دوبا

رہ مدرسہ میں ۔اور پھر میرے پاس یا میں ان کے پاس ، یہ روزنہ سہی تو آئے دن کا معمول ضرور تھا، تقسیم اوقات کو مد نظر رکھ کر تعجب ہی کیا جا سکتا ہے ، کہ موصوف اسکول کا ہوم ورک ، قرآن کا سبق درسبق کب یاد کرتے ہونگے ، پھر دینی رغبت کے باعث مختلف کتب کا مطالعہ وہ بھی نظر عمیق سے مکمل تفہیم کے ساتھ۔۔مزید یہ کہ مختلف اسکولوں اور تنظیموں کی جانب سے منعقدہ تقریری اور مضمون نویسی کے مقابلوں میں شرکت ؟ یعنی نوعمری میں اس قدر مشاغل ؟ طرہ یہ کہ جس طرح ان مقابلوں میں اپنے تخلص "اوج" کی لاج کو ہمیشہ قائم رکھتے تھے اسی طرح اسکول کے ہر امتحان میں اعلیٰ کارکردگی سے اپنے اساتذہ کی محبتیں ، شفقتیں اور شاباشیاں بھی سمیٹتے تھے ۔ڈاکٹر صاحب موصوف مجھے بھی اپنا استاد کہتے ہیں ، اگرچہ نہ یہ بالاستیعاب میرے شاگرد ہیں اور نہ میں بالاستیعاب ان کا استاد ہوں ، پھر بھی چند صرفی ، نحوی اور منطقی اسباب مجھ سے انہیں ضرور ودیعت ہوئے ہیں، البتہ درس نظامی میں ان کے مستقل استاذ محترم حضرت شیخ الحدیث علامہ غلام جیلانی زیدمجدہ الکریم ہیں ۔

دین فہمی میں رغبت تو ڈاکٹر صاحب موصوف کو بچپن ہی سے تھی ، اس سلسلے میں انہوں نے دینی و مذہبی کتب کے ساتھ ساتھ تفاسیر کے مطالعہ کو ہمیشہ ترجیح دی ، کیونکہ قرآن سے قلبی شغف تو انہیں حفظ قرآن کے زمانے سے ہی ہو گیا تھا، بی۔اے۔تک پہنچتے پہنچتے چند تفاسیر کے دریا وہ نوش کر چکے تھے ، چنانچہ مختلف تفاسیر کے حوالے سے گفتگو نہ صرف ان کی شناخت بن گئی تھی بلکہ نوجوانوں کے ایک حلقہ نے ان سے متاثر ہو کر ایک تنظیم قائم کر کے شاہ فیصل کالونی میں باقاعدہ ان کے درس قرآن کا سلسلہ شروع کر دیا تھا ، جو کہ کئی سالوں تک جاری رہا۔صرف سورۂ بقرہ تین سال میں مکمل ہوئی ۔اس درس کی انفرادیت یہ تھی کہ کسی ایک کتب فکر کی تفسیر کو مد نظر رکھنے کے بجائے چار پانچ تفاسیر کے مختلف نفس موضوع (themes) میں تطبیق دے کر ایک مشترک و منفرد فکر پیش کرتے ، نیز زیر درس آیت کو سامنے رکھ کر یہ توضیح بھی کر دیتے کہ فلاں مفسر نے یہاں فقہی اور فلاں نے تاریخی و کلامی تفسیر کی ہے ، جبکہ فلاں نے

احادیث کی روشنی میں اور فلاں نے دوسری آیات سے استدلال کیا ہے اور پھر یہ فیصلہ بھی سنا دیتے کہ آیت سے آیت یعنی قرآن سے قرآن کی تفسیر مجھے زیادہ مرغوب و پسند ہے ۔ بی۔اے کے زمانے سے شروع ہونے والا درس قرآن کا یہ سلسلہ اگرچہ ڈاکٹر صاحب موصوف کی شادی کے بعد کی مصروفیات اور کچھ شہر کے حالات کے سبب (۱۹۸۷) قائم و جاری نہ رہ سکا لیکن مختلف مقامات پر ماہانہ ، سہ ماہی یا گاہے بہ گاہے ان کے درس قرآن کا یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے ، قرآن کو قرآن سے سمجھنا بس یہ ہی ان کی منتہائے فکر ہے ، یہی ان کی شناخت ہے ، البتہ قرآن سے ماخوذ فقہی مسائل ، اصول وضوابط سے بھی اپنی تقریر و تحریر کو مدلل کرتے ہیں ، اسی طرح قرآن مجید کی تفسیر میں وہ احادیث مبارکہ جو قرآن کی مفسر ہیں ان سے استدلال کر کے بھی اپنی بات کو مؤکد کرتے ہیں ۔

یہ تو میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ قرآن فہمی ، قرآن میں غواصی ڈاکٹر صاحب موصوف کی شناخت ہے قرآن مجید سے جنون کی حد تک محبت و شغف اور پھر ان کے درس قرآن کے سلسلے ، کسی بھی محب قرآن سے مخفی نہیں ہیں ، اسی طرح مختلف مقامات پر سرکاری ، نیم سرکاری اور سول اداروں کی دعوت پر ان کے منعقدہ سیمنارز و کانفرنسز میں ڈاکٹر صاحب نے جو مقالات پڑھے ہیں یا تو سیتی لیکچرز دیئے ہیں وہ بھی مکمل قرآن کی روشنی میں ہیں ، اور یہ مقالات و لیکچرز ملک و بیرون ملک مختلف موقر جرائد ، مجلات و اخبارات میں شائع بھی ہوئے ہیں اور کچھ کراسات (رسائل) کی صورت میں بھی طبع ہوئے ہیں ، جن کی مکمل فہرست تو آخر میں پیش کی جائے گی مگر مشت نمونہ از خروارے یہاں بھی پیش کر دیتا ہوں ۔

ا۔ خانہ فرہنگ اسلامی جمہوریہ ایران کے زیر اہتمام ۱۔۲ مئی ۱۹۹۷ کو کراچی میں " استاد شہید مطہری کے آثار و نظریات کا جائزہ " کے عنوان سے بین الاقوامی سیمینار منعقد ہوا تھا جس میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے " استاد مطہری کے منتخب تفسیری معارف اور علمی جائزہ " کے عنوان سے مقالہ پڑھا تھا ، چوبیس صفحات پر محیط یہی مقالہ " سہ ماہی ثقلین " اسلام آباد

اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۷ کے شمارہ میں شائع کیا گیا۔

۲۔ دفتر ثقافتی نمائندہ اسلامی جمہوریہ ایران کے زیر اہتمام ۲۱، ۲۲ جولائی ۱۹۹۷ء اسلام آباد میں "ختم نبوت" سیمینار ہوا، جس میں ڈاکٹر صاحب نے "ختم نبوت قرآن کی روشنی میں" کے عنوان سے مقالہ پڑھا تھا، ۱۹ صفحات پر محیط یہ مقالہ "قرآن وختم نبوت" کے عنوان سے سہ ماہی ثقلین اسلام آباد کے جنوری تا مارچ ۱۹۹۸ء کے شمارہ میں شائع ہوا۔

۳۔ گورنمنٹ پائلٹ سیکنڈری اسکول ملتان میں" چھٹی سالانہ قرآن مجید وفرقان حمید کانفرنس" منعقدہ ۲۳ تا ۲۵ دسمبر ۱۹۹۸ میں ڈاکٹر صاحب نے "اظہار رائے کی آزادی کا قرآنی تصور" کے عنوان سے مقالہ پڑھا تھا، گیارہ صفحات پر مشتمل یہ مقالہ "ماہنامہ آگہی "کراچی جولائی ۲۰۰۰ء میں شائع ہوا، پھر یہی مقالہ "مجلہ حنفیہ عالمگیر" مجلس درس کراچی ۲۰۰۲ کے شمارہ میں شائع ہوا۔

۴۔ ہائر ایجوکیشن ریجنل آفس کراچی کے لیکچر ہال میں ڈاکٹر صاحب نے ۱۹ جولائی ۲۰۰۷ کو" الہامی کتب اور قرآن مجید۔۔ایک تقابلی جائزہ" کے عنوان سے توسیعی لیکچر دیا جس کی رپورٹ سہ ماہی التفسیر کراچی کے شمارہ نمبر ۱۲ (اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۷ء) میں شائع ہوئی۔

۵۔ اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے زیر اہتمام ۴، ۵، ۶ اپریل ۲۰۰۸ کو "عالمی رابطہ ادب اسلامی" کے عنوان سے منعقدہ" قرآن کانفرنس" کے لیے ڈاکٹر صاحب نے تفسیر مظہر القرآن۔ تعارف وتبصرہ، ایک اجمالی جائزہ" کے عنوان سے مقالہ لکھا، جو سہ ماہی مجلہ التفسیر کے شمارہ جنوری تا مارچ ۲۰۰۸ میں شائع ہو چکا ہے۔

۶۔ شعبہ اسلامی تاریخ جامعہ کراچی کے زیر اہتمام "سیرت نگاری، آغاز و ارتقاء، تیسری صدی تک" کے موضوع پر ۱۲ اپریل ۲۰۰۹ کو آڈیو ویژل سینٹر میں منعقدہ سیمینار میں ڈاکٹر صاحب نے "قرآن بطور ماخذ سیرت" کے عنوان سے مقالہ پڑھا۔

۷۔ جامعہ کراچی کے سوشل ورک ڈیپارٹمنٹ میں ڈاکٹر کلثوم قاضی کی دعوت پر ایم۔ایس

کے طلبہ کے لیے PROVESION OF FAMILY PLANING IN ISLAM) کے عنوان پر ۲۹ مئی ۲۰۰۹ کو قرآن کی روشنی میں توسیعی لیکچر دیا۔

۸۔ پاکستان ویٹ لینڈ پروگرام (pwp) کے زیر اہتمام پولیس ہیڈ کوارٹر سعید آباد کراچی میں (Conservation And Islam) کے موضوع پر منعقدہ ورکشاپ میں ۱۰ اگست ۲۰۰۹ کو ڈاکٹر صاحب بحیثیت ماہر اسلامیات مدعو کیے گئے، جہاں موصوف نے قرآن کی روشنی میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

۹۔ خانہ فرہنگ ایران کراچی کے زیر اہتمام مخدوم لطف اللہ نوح سرور ہالائی کی قرآنی خدمات کے حوالے سے ۲۰ اکتوبر ۲۰۰۹ کو منعقدہ قرآن کانفرنس میں ڈاکٹر صاحب نے "بر صغیر پاک و ہند میں اردو تراجم و تفاسیر کی تاریخ" کے عنوان سے خطاب کیا یہ کانفرنس خانہ فرہنگ ایران کراچی میں ہوئی تھی

۱۰۔ پاکستان ویٹ لینڈ پروگرام (pwp) کے زیر اہتمام رینجرز ہیڈ کوانو (ٹریننگ سینٹر اسکول) کراچی میں منعقدہ تین روزہ ورکشاپ میں ۱۷ نومبر کو ڈاکٹر صاحب کو بحیثیت مقرر مدعو کیا گیا، جہاں آپ نے "تحفظ ماحول اور اسلام" کے عنوان سے قرآنی آیات سے مزین خطاب کیا تلک عشرۃ کاملۃ کی مطاوعت میں چند نمونے تحریر کر دیے ہیں جبکہ مکمل فہرست آخر میں پیش کی جائے گی۔

ڈاکٹر صاحب موصوف کو جس طرح بچپن سے مطالعہ کا شوق ہے اسی طرح تحریر سے بھی انہیں بچپن سے شغف ہے، یعنی قلم اور کتاب سے ان کا پیار، نہ کسبی ہے نہ مستعار ہے بلکہ یہ پیار فطری ہے، مختلف اخبارات میں ہلکے پھلکے مضامین اور مراسلات لکھتے لکھتے موصوف پندرہ سال کی عمر میں حکیم محمد سعید شہید کے ہمدرد نونہال میں پہنچ چکے تھے، اسی ماہنامہ کے جنوری ۱۹۷۵ء کے شمارہ میں" پیغام" کے عنوان سے ڈاکٹر صاحب کا مختصر سا مضمون شامل اشاعت ہے، اسی ہمدرد نونہال کراچی کے جنوری ۱۹۷۶ء کے شمارہ میں بھی" شہید کربلا" کے

عنوان سے ان کا مضمون موجود ہے، پھر ۱۷ سال کی عمر میں دنیا کے دو عظیم سرجنوں (امام ابو القاسم زہراوی اور ابو بکر محمد بن زکریا رازی) کی حیات و کارناموں پر لکھا گیا ان کا مضمون کراچی کے موقر روزنامہ جنگ نے ۲۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو شائع کیا تھا، گویا پڑھنا اور لکھنا ان کی زندگی کا جزو لاینفک تصور ہوتا ہے، پھر جس طرح ان کی سوچ کا دھارا قرآن فہمی کی طرف بدلتا گیا اسی طرح ان کا قلم بھی خدمت قرآن کے لئے وقف ہوتا گیا، ان کے قلم سے قرآن کی روشنی میں جو مضامین مرصع ہوئے ہیں ان کی فہرست تو کافی طویل ہے جو آخر میں درج کی جائے گی، لیکن چند شہ پارے یہاں درج کیے دیتا ہوں۔

۱۔ ادارہ تحقیقات اسلامی و انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی (اسلام آباد) کے شعبہ فقہ وقانون کے زیر اہتمام مطبوعہ" مجموعہ مقالات" جون ۱۹۹۵ء میں ڈاکٹر موصوف کا مقالہ" اعضاء کی پیوند کاری کی شرعی حیثیت" شامل اشاعت ہے، یہ مقالہ قرآنی فقہ کی روشنی میں لکھا گیا تھا۔

۲۔ گلوبل اسلامک مشن امریکہ نے ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور کے توسط سے جب ۲۰۰۱ء میں سید محمد محدث کچھوچھوی" کا ترجمہ قرآن چھپوایا تو اس پر مقدمہ بطور خاص ڈاکٹر محمد شکیل اوج سے لکھوایا گیا، ڈاکٹر صاحب نے اردو کے گیارہ تراجم کے ساتھ تقابلی جائزہ لے کر یہ مقدمہ تحریر کیا جو کہ ۳۴ صفحات پر محیط ہے۔ اس ترجمہ کے پیش لفظ میں امام شاہ احمد نورانی نے ڈاکٹر صاحب کے مقدمہ کی خوبصورت لفظوں میں تحسین فرمائی ہے۔

۳۔ النبی الامی کے معنی "ان پڑھ نبی کیئے جاتے ہیں" ڈاکٹر صاحب کے قلب و ذہن نے اس معنی کو قبول نہ کیا، چنانچہ قرآن کی روشنی میں مختلف آیات سے استدلال کر کے" الامی کے معنی کی تحقیق اور اس کے اطلاقات" کے عنوان سے ایک تحقیقی مضمون لکھا جو سہ ماہی التفسیر کراچی کے شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ میں شائع ہوا۔

۴۔ جب کشمیر، سرحد اور شمالی علاقہ جات میں شدید زلزلہ آیا تو کئی نامور مذہبی شخصیات اور کالم نگاروں نے اسے عذاب الٰہی سے تعبیر کیا، جبکہ ڈاکٹر صاحب نے اس تصور کی نفی کرتے

ہوئے اسے عذاب الٰہی نہیں بلکہ فطری حادثہ ثابت کیا۔ یہ مقالہ سہ ماہی التفسیر کراچی کے شمارہ جنوری تا مارچ ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا۔

۵۔ ایڈز کے خطرات سے آگاہی کے پروگراموں کے سلسلے میں ڈاکٹر صاحب نے "ایڈز ۔۔۔قرآن کی روشنی میں" کے عنوان سے مضمون لکھا جو سہ ماہی التفسیر کراچی کے شمارہ جولائی تا ستمبر ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا۔ جو اہل علم میں بہت پسند کیا گیا۔ کیونکہ اس مضمون میں ڈاکٹر صاحب نے ایڈز کو قرآنی آیات کی روشنی میں پہلی مرتبہ بیان کیا ہے۔ قبل ازیں قرآنی لفظ" اعنا" کو ایچ آئی وی / ایڈز کے معنی میں کسی نے بیان نہیں کیا۔ بلاشبہ اس میں انہیں تفرد حاصل ہوا ہے۔

۶۔ اسی طرح ڈاکٹر صاحب کا مضمون "تعدد ازدواج کے قرآنی دلائل" سہ ماہی التفسیر کراچی کے شمارہ جولائی تا ستمبر ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا۔

۷۔ تفویض طلاق، یعنی شوہر کی طرف سے مشروط یا غیر مشروط طور سے اپنی بیوی کو طلاق کا حق سپرد کرنا۔ مفتیان ذی وقار کے مابین مختلف فیہ مسئلہ رہا ہے بلکہ اب بھی ہے، اس حوالے سے ڈاکٹر صاحب نے قرآن کی روشنی میں" تفویض طلاق۔۔۔ایک اہم عائلی مسئلہ" کے عنوان سے مضمون لکھ کر اپنا موقف پیش کیا ہے، یہ مضمون بھی خالصۃً قرآنی نقطہ نظر سے تحریر کیا گیا ہے، جسے معارف اعظم گڑھ انڈیا نے اپنی جنوری ۲۰۰۷ء کی اشاعت میں شائع کیا ہے۔ یہ بھی انفرادی نوعیت کا مضمون ہے۔

۸۔ حلالہ، جس کی حیثیت اب محض ایک رسم کی سی رہ گئی ہے، جو بالعموم دو ایک راتوں کے لیے کیا جاتا ہے اور طے شدہ معاہدہ کے مطابق پھر طلاق دے دی جاتی ہے، اس موضوع پر بھی ڈاکٹر صاحب نے قرآن کی روشنی میں ایک مضمون لکھا، جسے" معارف اعظم گڑھ" انڈیا میں" حلالۂ مروجہ اور قرآنی حلالہ کے درمیان فرق" کے عنوان سے جون ۲۰۰۷ کے شمارہ میں شائع کیا گیا۔ یہ وقیع مضمون بھی موصوف کی مہارت قرآنی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

۹۔ ڈاکٹر صاحب نے "تفسیر مظہر القرآن، تعارف تبصرہ، اجمالی مطالعہ" کے عنوان سے

ایک تنقیدی مضمون لکھا جو سہ ماہی التفسیر کے شمارہ جنوری تا مارچ ۲۰۰۸ء میں شائع کیا گیا۔اس مضمون سے ان کی وسعت مطالعہ کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

۱۰۔"طلاق وعدت کے قرآنی واجتہادی مسائل" کے عنوان سے ڈاکٹر صاحب نے اپنے مضمون میں دین میں توسع کو مد نظر رکھ کر قرآنی آیات سے استشہاد کیا ہے، یہ مضمون بھی سہ ماہی التفسیر کے شمارہ نمبر ۱۵ میں شائع ہوا۔

۱۱۔ڈاکٹر صاحب نے اسلامی ذبیحہ کے حوالے سے قرآنی آیات سے استدلال کرتے ہوئے "اسلامی ذبیحہ کیا ہے" کے عنوان سے تحقیقی مضمون لکھا جسے اسلامی نظریاتی کونسل (اسلام آباد) نے اپنے سہ ماہی مجلّہ "اجتہاد" کے شمارہ (۳،۴) ستمبر ۲۰۰۸ء میں شائع کیا۔یہ مضمون عصر حاضر کے تناظر میں بالخصوص امریکہ ویورپ کے مسلمانوں کی ڈیمانڈ پر وضاحتی انداز میں لکھا گیا ہے۔اس مضمون میں موصوف نے لفظ "ذکیتم" کا اصل ترجمہ کر کے اپنی قرآن فہمی کو ایک بار پھر منوایا ہے۔

۱۲۔عائلی نظام کے حوالے سے اسلامی نظریاتی کونسل نے جو سفارشات پیش کی تھیں ان کو مدنظر رکھ کر ڈاکٹر صاحب نے قرآنی آیات کی روشنی میں "اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات پر چند گزارشات" کے عنوان سے مضمون تحریر فرمایا جو سہ ماہی التفسیر کے شمارہ نمبر ۱۵ میں شائع ہوا۔یہ مضمون بھی جدید فکر اسلامی کا غماز ہے۔

۱۳۔اسی طرح "عرفان القرآن۔اہل علم و دانش کی نظر میں" کے عنوان سے مطبوعہ "مجموعہ مقالات" میں ڈاکٹر صاحب کا مضمون "عرفان القرآن ایک نظر میں" شامل اشاعت کیا گیا۔میرے علم کے مطابق یہ مضمون قلم برداشتہ لکھا گیا اور پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے حلقہ میں بڑا پسند کیا گیا ہے۔

۱۴۔اسی طرح ڈاکٹر صاحب کا مضمون "نفاذ شریعت کے قرآنی اصول" اسلامی نظریاتی کونسل کے سہ ماہی "اجتہاد" کے شمارہ نمبر ۵ مئی ۲۰۰۹ء میں شائع ہوا۔اس میں دین کے

توسع،تیسیر اور عدم حرج کو تفصیل سے لکھا گیا ہے۔

۱۵۔جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ کی حیات و افکار پر لاہور سے مجلّہ "جمال کرم" کا خصوصی نمبر شائع کیا گیا ہے، جس میں ڈاکٹر صاحب کا تحریر کردہ ۳۴ صفحات پر محیط مقالہ "صاحب ضیاء القرآن، بحیثیت مفسر" شامل اشاعت ہے۔یہ مضمون ڈاکٹر صاحب کے تفسیری مطالعہ کا عکاس ہے۔

ڈاکٹر صاحب موصوف کے مذکورہ بالا مقالات و مضامین کے علاوہ جب آپ آخری صفحات میں فہرست مقالات و مضامین دیکھیں گے تو آپ کو یہ باور کرنے میں دیر نہیں لگے گی کہ موصوف کی تحقیق و تحریر کا پہلا اور بنیادی ماخذ قرآن مجید ہی ہے اور آپ ہر مسئلہ، ہر معاملہ کو قرآن مجید کے پس منظر میں دیکھتے اور پرکھتے ہیں، آخر میں دی گئی فہرست میں قارئین چند ایسے مضامین بھی ملاحظہ فرمائیں گے جن میں تقلیدی روایت کی پیروی کے بجائے نئی جہتیں روشناس کرائی گئی ہیں، مثلاً (۱) نیل پالش کا مسئلہ (۲) مسیار میرج (۳) خلع اور فسخ نکاح میں عدالت کا کردار (۴) محصنین اہل کتاب سے مسلم عورتوں کا نکاح وغیرہ ہیں، دنیا کے بدلتے ہوئے حالات کے تناظر میں اور دین کے نظریہ توسع کی مطاوعت میں تحریر کیے گئے ان مسائل پر بعض اہل علم نے تو مکمل سکوت اختیار فرمایا ہے یعنی نہ تائید اور نہ تردید کی ہے بلکہ اسے مسلمانوں کی قبولیت و عدم قبولیت پر چھوڑ دیا ہے، ظاہر ہے عقیدے اور عقیدت کی اسیری، نہ صرف تحقیق و تخلیق کے میدان کارزار سے دور رکھتی ہے بلکہ دین کے خوبصورت نظریہ توسع سے بھی خلق خدا کو مستفید و مستفیض نہیں ہونے دیتی۔

نیل پالش:

ڈاکٹر صاحب کی یہ تحقیق کہ نیل پالش لگی ہو تو وضو پھر بھی جائز ہے، پاکستانی سرحدوں سے نکل کر ہندوستان، ایران، عربستان بلکہ افریقہ و یورپ تک پہنچ چکی ہے، ڈاکٹر صاحب کی ٹی وی چینلز اپنے شائع کردہ ایک اجتہادی مقالہ کے ذریعے مشہور ہونے والی اس

تحقیق انیق کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان خواتین دین کی توسع جیسی نعمت سے مکمل فیضیاب ہوں، نیل پالش خواتین کے سنگھار کا غیر منفک جزو ہے، کسی تقریب میں شریک خواتین کے لیے یا پابند صوم وصلوۃ دلہن کے لیے عروسی تقریب میں مغرب وعشاء، یا صبح کی نماز کے لئے پہلے ناخن سے پالش کھرچنا، پھر وضو کرنا مشکل امر ہے، اسلئیے وہ نماز ہی چھوڑ دیتی ہیں، چنانچہ ڈاکٹر صاحب نیل پالش کے جواز کے قائل ہیں۔ان کی تحقیق ہے کہ نیل پالش کے ساتھ وضو و غسل جائز ہے۔اس مضمون پر معروف دینی وعلمی پرچے ماہنامہ الشریعہ (گوجرانوالہ) میں شائع ہونے والے تبصرہ کے چند جملے ملاحظہ ہوں۔"۔۔۔۔۔۔ڈاکٹر محمد شکیل اوج شرعی اصولوں اور فقہی جزئیات پر غور کرنے کے بعد مروجہ فقہی فتویٰ کے برعکس، اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ خواتین کے لیے ناخن پالش لگانا اور اس کے اتارے بغیر وضو اور غسل کرنا شرعی لحاظ سے بالکل درست ہے۔" (ستمبر ۲۰۰۵ء)

مسیار میرج:

ملازمت کے سلسلے میں لوگ یورپ جاتے ہیں، کئی کئی سالوں پر محیط عرصہ میں ضبطِ نفس ان کے لئے مشکل ہو جاتا ہے، تو گناہ سے بچنے کے لئے وہ یہ سوچ کر شادی کر لیتے ہیں کہ جاتے وقت اسے طلاق دے دیں گے، بعض اوقات ایسا نہیں ہو پاتا یعنی نکاح یا نکاح کے نتیجے میں ہونے والے نومولود، اس راہ میں سدِ سکندری بن کر حائل ہو جاتے ہیں۔ پھر بھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بیوی سوائے حق رہائش کے باقی تمام ضروریات زندگی جیسے حقوق یہاں تک کہ مہر سے بھی دستبردار ہو جاتی ہے (اور ویسے بھی یورپ جیسے معاشرہ میں ان باتوں کو اہمیت نہیں دی جاتی) بہر حال یہ سوال نیٹ کے ذریعے تقریباً ہر دینی ادارہ میں بھیجا گیا کہ ایسا نکاح جائز ہے یا نہیں؟ یہی سوال اور اس کے ساتھ مصر سے جواز کا ایک فتویٰ ڈاکٹر صاحب کے پاس بھی پہنچا، ڈاکٹر صاحب نے اس فتویٰ سے ذرا ہٹ کر اپنی قرآنی استدلالی فکر کے مطابق اس کے جواز میں تحقیقی مضمون لکھا، تین سال ہو گئے ہیں کہیں سے اس مضمون کی مخالفت میں

کوئی تحریر یا فتویٰ سامنے نہیں آیا، مگر ہم مصر سے جواز کے فتویٰ کو ڈاکٹر صاحب کا مؤید سمجھتے ہیں یعنی مسیار میرج کے جواز کے مؤقف میں ڈاکٹر صاحب اس وقت تنہا نہیں ہیں۔مگر پاکستان میں اولیت کا شرف انہیں ضرور حاصل ہو گیا ہے۔

خلع اور فسخ نکاح میں عدالت کا کردار:

ڈاکٹر صاحب کا یہ مضمون بہ اعتبار نوعیت تو منفرد نہیں مگر منہج تحقیق کی نوعیت سے واقعی منفرد ہے، یعنی عدالت جب عورت کی درخواستِ خلع پر طرفین کے مؤقف کی سماعت کر کے یا عدالتی نوٹس کے باوجود شوہر کی غیر حاضری یا عدم دستیابی پر یکطرفہ کاروائی کر کے دونوں میں علیحدگی کا فیصلہ سناتی ہے تو مفتیان عظام اسے شرعی خلع تسلیم کرنے کے بجائے اسے فسخ نکاح کا نام دیتے ہیں، اس طرز عمل سے بظاہر تو اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اس عمل میں عدالت کے کردار کو تسلیم نہیں کیا گیا جبکہ بادی النظر میں درحقیقت عدالت پر ہی عدم اعتماد کا اظہار ہے، سونے پر سہاگہ یہ کہ عدالتی فیصلہ کو شرعی خلع تسلیم نہ کرنے کے باوجود فسخ نکاح کو جائز تسلیم کیا جاتا ہے، اور بہ اعتبار نتیجہ دونوں یعنی خلع اور فسخ کو ایک ہی حکم میں رکھا جاتا ہے، پھر بھی ہمارے فقیہان کرام لفظی نزاع پر قائم و کمربستہ ہیں یعنی گڑ کھائیں اور گلگلوں سے پرہیز کریں والا معاملہ ہے، ڈاکٹر صاحب نے حسب روایت اس مسئلہ کو بھی قرآن مجید کی روشنی میں پرکھا اور آیت **حکما من اھله وحکما من اھلھا** کے قرآنی اصول کو مدنظر رکھ کر پھر ان **حکم** (منصفین) کے فیصلوں کے بارے میں قرآنی تائید کے پس منظر میں عدالت کی حیثیت اور ان کے فیصلے کی قدر و قیمت کو متعین کیا ہے، نیز ایسی آیات مقدسہ جن سے پنچایتی فیصلوں کی طرف اشارہ ملتا ہے، ان سے استشہاد و استنباط کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ عدالت کی طرف سے فسخ نکاح کا فیصلہ شرعی خلع ہے، کیونکہ عدالت نہ صرف حکومت کی قائم کردہ ہے بلکہ معاشرہ تک انصاف کی رسائی کے حوالے سے نظام سلطنت کا حصہ ہے اس لحاظ سے وہ زوجین کی طرف سے مشترکہ حکم ہی ہوتی ہے، ڈاکٹر صاحب کے اس مؤقف کی تائید عصر حاضر کے

بعض جید علماء کے فتاووں سے بھی ہوتی ہے۔

قرآنی حلالہ اور مروجہ حلالہ میں فرق:

عرف عام میں حلالہ مروجہ کا معروف و مشہور طریقہ یہ ہوتا ہے کہ طلاق دینے والا شوہر اگر دوبارہ اپنی مطلقہ بیوی کو بسانا چاہتا ہے اور مطلقہ بیوی بھی اس پر راضی ہوتی ہے تو پھر عورت کو حلالہ کے لیے کہا جاتا ہے، جس کے لیے باقاعدہ ایک مرد تلاش کیا جاتا ہے جو ایک معاہدہ کے مطابق موقت (بالعموم ایک رات کے لیے) نکاح کرتا ہے، شب بسری کے بعد طے شدہ معاہدہ و معاملات کے مطابق وہ اسے طلاق دے دیتا ہے، جبکہ عورت مہر کی رقم معاف کر دیتی ہے، طرفہ تماشہ یہ کہ حلالہ کا نکاح انتہائی رازداری سے پڑھوایا جاتا ہے، حق مہر کی معافی کا معاہدہ بھی مجلس نکاح سے پہلے طے ہو جاتا ہے، بلکہ بعض موقعوں پر محلل کو معقول معاوضہ بھی پیش کیا جاتا ہے، عرف عام میں یہی حلالہ معروف اور عوام میں معمول بہ ہے یعنی نکاح اور طلاق دونوں پہلے سے طے شدہ معاہدے کے تحت ہوتے ہیں۔۔۔۔ مگر قرآن مجید اس طرح کے موقت اور طے شدہ شرائط و میثاق کے تابع حلالہ کی قطعاً تائید نہیں کرتا، اسی طرح ڈاکٹر صاحب نے بھی اس طریق حلالہ کو محض ایک ناپسندیدہ اور غیر دینی رسم قرار دیا ہے ۔۔۔۔ قرآن مجید نے حلالہ کا جو طریق کار بتایا ہے، ان لفظوں کے زیر سایہ تحقیق کر کے موصوف نے قرآنی حلالہ کو منقح کیا ہے، یعنی مطلقہ عورت معاشرہ کے مروج طریقوں کے مطابق، اپنے جملہ حقوق پر اپنی حقداری کو قائم رکھتے ہوئے بلا کسی قید کے دوسرے مرد سے اعلانیہ نکاح کرے، پھر بیوہ ہونے کی صورت میں یا کسی اختلاف و نا اتفاقی کے باعث جب شوہر اپنی طرف سے اسے طلاق دے دے یا وہ خلع حاصل کر لے، بعد از عدت اگر پہلا شوہر اسے دوبارہ اپنانا چاہے تو وہ عورت اس سے نکاح کر سکتی ہے، یہ ہے قرآنی حلالہ کہ جسے ڈاکٹر صاحب نے اپنی تحقیق سے منقح کیا ہے۔

النبی الامی:

مفسرین نے امی سے مراد ان پڑھ رسول لیا ہے یا ان پڑھ اہل عرب لیے ہیں، جبکہ بعض اہل علم کے نزدیک دونوں مفہوم و مرادات غیر صحیح ہیں، ان کے نزدیک قرآن کے سیاق و سباق کی روشنی میں اُمیّین کا لفظ اہل کتاب کے مقابلہ میں ان اہل عرب کے لیے استعمال ہوا ہے جن پر قرآن سے پہلے کوئی کتاب نہیں اتری تھی، جس کی دلیل میں وہ آیت پیش کرتے ہیں **وقل للذین اوتوا الکتاب والامیین ءاسلمتم فان اسلموا فقد اھتدوا**......اور (اے رسول) ان لوگوں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے اور اُمیّین (جنہیں قبل ازیں کوئی کتاب نہیں دی گئی) سے فرمائیں، کیا تم ایمان لے آئے ہو، سو اگر یہ تسلیم کر لیں تو بلا شبہ ہدایت پا گئے ۔۔۔۔ ان کے نزدیک یہاں امیین کا ذکر اہل کتاب کے مقابلے میں ہے یعنی غیر اہل کتاب کے لیے۔ اگرچہ اطمینان کے لیے یہ مؤخر الذکر توضیح کفایت کرتی ہے، مگر ڈاکٹر محمد شکیل اوج جیسا باریک بین، عظمتوں کے پیکر، سید الرسل، رحمۃ للعلمین، عالمگیر رسول کی طرف ان پڑھ جیسے لفظ کی نسبت، یا ان پڑھوں کے رسول جیسی نسبت کو کیسے قبول کر لیتا، چنانچہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے اس عنوان کو اسلاف کی نقل در نقل روایات و آراء کے برعکس نئے زاویہ سے دیکھا ہے، قرآن میں مختلف صیغوں میں وارد اس لفظ کے سیاق و سباق میں تفحص کر کے اور کتب لغت سے استشہاد کر کے لفظ امی سے مراد مرکز دنیا یعنی مکہ اور مکہ میں مقیم لوگ لیے ہیں اور النبی الامی کا مفہوم دنیا کے مرکز یعنی مکہ میں مقیم لوگوں میں مرکزی اور عالمگیر رسول بیان فرمایا ہے اور حوالہ میں ایک دلیل یہ بھی دی ہے کہ بعثت نبوی سے پہلے غیر عربی لوگ اہل حجاز کو امی (مرکزی)، کہتے تھے اب اہل علم و دانش خود ہی فیصلہ کریں کہ النبی الامی کہہ کر **ویتلوا علیھم ایتہ** اور **ویعلمھم الکتاب** کے مطابق پڑھنے اور کتاب الٰہی کی تعلیم دینے والے رسول کو ان پڑھ اور ان پڑھوں کا رسول کہتے ہیں یا اس سید الاولین والآخرین رسول کو دنیا کے مرکز میں مبعوث ہونیوالا مرکزی و عالمگیر رسول تسلیم کرتے ہیں (ﷺ)۔

ڈاکٹر صاحب کے اس مضمون پر ہفت روزہ تکبیر کراچی نے اپنے تبصرہ میں لکھا ہے:

''ڈاکٹر شکیل اوج نے اس مقالے میں نبی کریم ﷺ کے لیے قرآن کریم میں استعمال ہونے والے الامی کے لقب کی مروجہ تعریفوں کے مقابلے میں ایک بالکل منفرد تحقیق پیش کی ہے۔ اب تک مختلف مفسرین نے الامی کے لیے ناخواندہ، ان پڑھ اور اپنی اصل پر قائم رہنے والے کے معنی تعبیر کیے ہیں لیکن اس مجلہ میں شائع شدہ اپنی تحقیق میں ڈاکٹر شکیل اوج نے قرآنی دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ اب تک اس لفظ کے اخذ کیے گئے معنی آپ ﷺ کی شان کے مطابق نہیں۔ بلکہ الامی کے صحیح معنی ''مرکز و مرجع'' یا ''مرجع خلائق'' کے ہیں۔ (ہفت روزہ تکبیر، کراچی، یکم تا سات دسمبر ۲۰۰۵ء)

محصنین اہل کتاب سے مسلم عورتوں کا نکاح:

اہل کتاب کے باکردار، اچھی خصلت کے مردوں سے مسلمان عورتوں کے نکاح کی حلت کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب کی یہ تحقیق قرآنی نقطہ نظر سے خالص معاشرتی تحقیق ہے، وہ مسلمان جو مستقل طور پر یورپ میں مقیم ہیں، ان کی اولاد وہیں پیدا ہوئی، وہیں جوان ہوئی اور اسی معاشرہ میں باشعور ہوئی اور پھر اسی کلچر کا حصہ بن گئی، مشرقی کلچر سے غیر وابستہ رہنے کی صورت میں نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان لڑکیوں کی ایک متعد بہ تعداد نے اہل کتاب مردوں سے، ان کے کردار وخصلت میں تمیز کیے بغیر شادیاں کرلیں، مسلم فقہاء نے آیت و المحصنت من الذین اوتوا الکتاب کے ظاہر سے استدلال کرتے ہوئے یہ اجازت تو دے دی کہ مسلمان مرد اہل کتاب کی پاکباز و نیک خصلت عورتوں سے نکاح کرسکتے ہیں مگر مسلم عورت کے اہل کتاب سے نکاح پر عدم جواز کا فتویٰ دیا، لیکن یہ فتویٰ بدلتے ہوئے معاشرتی اقدار میں مؤخر الذکر عمل کو نہ روک سکا۔

ڈاکٹر محمد شکیل اوج صاحب جو کسی فرقہ و مسلک کی نمائندگی کے بجائے صرف دین اسلام کی حقانیت اور قرآن کی روشنی میں ہر مسئلے کو دیکھتے اور پرکھتے ہیں انہوں نے اس مسئلے میں غور و تفحص کیا اور قرآن کے اصول ایجاز و حذف کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ قرآن

مجید کی رو سے اہل کتاب کی عورتیں پاکباز و نیک سیرت ہوسکتی ہیں تو اس کے اصول حذف کے مطابق اہل کتاب کے مرد بھی باکردار و نیک عادات ہوسکتے ہیں، کیونکہ قرآن کا اصول ایجاز وحذف اہل علم کے ہاں صنائع و بدائع میں اختلاف کے باوجود مسلم ہے تو پھر اسی اصول کے تحت اہل کتاب کے باکردار و نیک خصلت مردوں سے مسلمان عورتوں کا نکاح ہوسکتا ہے اگر چہ سید محمد جعفر شاہ پھلواروی جیسے ارباب علم و دانش اپنی تحریروں میں ثقافتی و معاشرتی بنیادوں پر مسلم عورتوں کے اہل کتاب مردوں سے نکاح کے جواز کا عندیہ دے چکے ہیں لیکن ڈاکٹر صاحب کی تحقیق خالص اسلامی اور قرآنی فکر کی غماز ہے، جس سے مسلم برتری اور مسلم انا کے زیر سایہ اختلاف تو کیا جاسکتا ہے اور عصر جدید کے پیش آمدہ جدید معاشرتی وثقافتی مسائل کا احاطہ نہ کرنے والے عہد قدیم کے اقوال وآراء کی روشنی میں اختلاف کیا بھی جارہا ہے، مگر تا حال کوئی ایسی مدلل تحریر سامنے نہیں آئی جس میں قرآن کے اصول ایجاز و حذف کی نفی کر کے ڈاکٹر صاحب کے موقف کی تغلیط کی گئی ہو۔ واضح ہو کہ عالم عرب کے معروف اسکالر علامہ یوسف القرضاوی کا فتویٰ بھی وہی ہے جو ڈاکٹر شکیل اوج کا مؤقف ہے۔

حج اکبر کا معنی ومفہوم:

عرف عام میں جو حج جمعہ کے دن ہو اسے حج اکبر کہا جاتا ہے جب کہ باقی ایام میں ہونیوالے حج کو حج اصغر کا نام دیا جاتا ہے یہ صرف عوام ہی نہیں کہتے بلکہ علماء تفسیر نے بھی ایک روایت سے استدلال کرکے اسی طرح تحریر فرمایا ہے، ڈاکٹر صاحب نے بڑی عرق ریزی سے تحقیق کرکے علم توقیت اور تاریخ سے یہ ثابت کیا ہے کہ مذکورہ روایت کو دلیل بنا کر جس حج کو حج اکبر کہا گیا ہے وہ حج جمعہ کے دن ہوا ہی نہیں تھا نیز موصوف کا مؤقف یہ ہے کہ عمرہ حج اصغر اور ذوالحجہ میں ہونیوالا حج، حج اکبر ہے، ڈاکٹر صاحب کی یہ تحقیق بھی حسب روایت قرآنی آیات کی روشنی میں ہے۔

بہرحال اس میں کوئی شک نہیں کہ ڈاکٹر صاحب کی ہر تحریر و تحقیق کا نقطہ نظر یا منتہائے مقصود

کسی فرقہ کی مطاوعت و متابعت کے بجائے صرف اور صرف دین اسلام کے اصلی حسین خدو خال اور مقصود کو نکھارنا ہے، اور ان کا طریقہ استدلال، آیت سے آیت کا مرہون منت ہے، بلا شبہ اختلاف رائے کا حق مسلم ہے اور اختلاف برائے اختلاف یا محض زبانی کلامی تنقید و تضحیک اہل علم کے ہاں بھی ناپسندیدہ شمار ہوتی ہے، ڈاکٹر صاحب کے ۵۴ مطبوعہ مقالات و مضامین اور ۶۲ دیگر مطبوعہ مضامین کے علاوہ بعض فتاوے اور پی۔ ایچ۔ ڈی کا مطبوعہ مقالہ، اس وقت میرے سامنے ہیں، ان میں سے مذکورۃ الصدر مقالات و مضامین کے علاوہ کوئی ایسا مقالہ و مضمون نہیں ہے جس سے عصر حاضر کے ارباب علم و دانش اختلاف کر سکتے ہوں، البتہ مذکورۃ الصدر تحقیقات سے اختلاف رکھنے کا دعویٰ کرنے والے نئی فکر پیش کرنے سے بھی قاصر نظر آتے ہیں ورنہ کہیں سے یا کسی طرف سے کوئی اختلافی یا جوابی تحریر ضرور سامنے آتی، اس لیے مذکورہ عنوانات پر ڈاکٹر صاحب نہ صرف اپنے مؤقف پر قائم ہیں بلکہ قائم رہنے کا حق بھی رکھتے ہیں۔

انسان کا ذہنی ارتقاء:

انسان کے ارتقاء کے حوالے سے اہل علم و دانش نے تفصیل سے گفتگو فرمائی ہے اور مختلف زاویہ ہائے فکر سے مگر اپنے اپنے ذوق کے مطابق انسان کے ماضی کو موضوع سخن بنایا ہے، مترجمین و مفسرین نے سورۃ نوح کی آیت نمبر ۱۷ وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا کے پس منظر میں انسانی ارتقاء کو بنیاد بنا کر جو تراجم و تفاسیر فرمائی ہیں وہ بھی انسان کے ماضی سے متعلق ہیں جو کہ انسان کی اولین تخلیق سے لے کر بطن مادر سے خلقت، پھر خلقت عادیہ پھر بعد از پیدائش کے ارتقائی مراحل و کیفیات پر محیط ہیں یعنی أَطْوَارًا کے حوالے سے ان حضرات کا موضوع سخن صرف انسان کا ماضی رہا ہے۔

مگر ڈاکٹر پروفیسر محمد شکیل اوج نے لفظ" أَطْوَارًا "کا مفہوم جن الفاظ سے تحریر فرمایا ہے وہ اسلاف و ہمعصر مترجمین و مفسرین کے انسان کے ماضی سے متعلق ارتقاء کے

چاروں مفاہیم سے منفرد و مختلف ہے جیسا کہ وہ اپنے مقالہ میں خود تحریر فرماتے ہیں" میرے نزدیک عصر حاضر میں انسانی ذہن کے ارتقاء کے پیش نظر"أَطْوَارًا" کا مفہوم حال بہ حال، درجہ بدرجہ ارتقاء پذیر کے الفاظ سے ادا ہوگا، اس مفہوم کے تحت وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا کا مطلب یہ ہوگا کہ بیشک ہم نے تمہیں بحیثیت نوع ایک حال سے دوسرے حال یا ایک درجے سے دوسرے درجے میں بتدریج ترقی کرتا ہوا انسان بنا کر پیدا کیا ہے" گویا مذکورہ آیت سے ڈاکٹر صاحب یہ نتیجہ اخذ فرما رہے کہ اس میں انسان کے صدیوں پر محیط ارتقائی سفر کی جانب اشارہ ہے جو در حقیقت یہ انسان کے ذہنی، علمی اور عقلی ارتقاء کا سفر ہے جو آدم سے اس دم جاری ہے اور یوم آخر تک جاری رہے گا۔

بہر حال خلقت عادیہ سے قبل بطن مادر میں خلقت، پھر خلقت عادیہ کے بعد یا انسانی پیدائش عادیہ کے ارتقائی مفہوم کو متضمن تراجم و تفاسیر کو ڈاکٹر صاحب موصوف نے ان کی جگہ برقرار رکھتے ہوئے حسب عادت و روایت دیگر قرآنی آیات کی استعانت سے اپنا نقطہ نظر پیش کیا ہے یعنی" أَطْوَارًا "سے مراد انسان کے ذہنی ارتقاء کے مراحل و کیفیات کو لیا ہے جسے اہل علم نے نہ صرف سراہا ہے بلکہ تحسین بھی فرمائی ہے، ڈاکٹر صاحب کا یہ مختصر مقالہ ماہنامہ دی منارٹ انٹرنیشنل کے شمارہ جولائی ۲۰۰۳ میں شائع ہوا ہے۔

مسئلہ نسخ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ:

قرآن مجید میں ناسخ و منسوخ آیات کی بحث دور اولین سے چلی آرہی ہے، اگرچہ متقدمین و متاخرین کے مابین نسخ کے معنی میں فرق و تفاوت ہے کیونکہ متقدمین کے ہاں نسخ یہ ہے کہ ایک مطلق آیت کو جس دوسری آیت نے مقید کر دیا، یا مجمل آیت کو جس دوسری آیت نے مفسر کر دیا وہ ناسخ ہے یعنی مطلق و مجمل آیت کو منسوخ اور مقید و مفسر کرنے والی آیت کو ناسخ کا نام دیا گیا۔ مگر متاخرین علماء نے نسخ کا ایک خاص معنی متعین کر کے یہ طے کر لیا کہ بعض آیات نے بعض کو منسوخ کر دیا ہے لہذا اب منسوخ آیات پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔

ناسخ و منسوخ کا دائرہ اتنا وسیع کر دیا گیا کہ بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علماء مفسرین پانچ سو کے قریب آیات مقدسہ کو منسوخ تسلیم کرتے تھے لیکن علامہ جلال الدین سیوطی نے الاتقان فی علوم القرآن میں چار سو اسی آیات میں تطبیق دے کر باقی صرف بیس آیات میں نسخ کو قائم رکھا ہے، جبکہ شاہ ولی اللہ نے ان میں سے پندرہ آیات میں تطبیق دے کر ان کو غیر منسوخ ثابت کیا ہے یعنی شاہ صاحب موصوف کے نزدیک اب صرف پانچ آیات کریمہ منسوخ ہیں۔

ڈاکٹر محمد شکیل اوج نے ان پانچ آیات میں بھی مطابقت پیدا کرنے کی سعی بلیغ فرمائی ہے، زیر نظر مضمون میں صرف ایک مشکل ترین موضوع پر مبنی آیت کُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ ......اور ....یوصیکم اللّٰہ فی اولادِکم للذکرِ مثلُ حظِ الانثیین کے مابین تطبیق فرمائی ہے شاہ صاحب نے دوسری آیت سے پہلی آیت کُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ الخ کو منسوخ قرار دیا ہے، اسی طرح شاہ صاحب نے آیت مذکورہ کے نسخ میں جس حدیث (لا وصیۃ لوارث) سے استدلال کیا ہے، ڈاکٹر صاحب نے کتب اسماء الرجال سے اس حدیث کے ضعف کو ثابت کر کے پھر رحمت اللہ طارق کی کتاب (تفسیر منسوخ القرآن) کے حوالے سے لکھا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کی چونتیس اسانید کا تفصیلی جائزہ لے کر اس کے ضعف کو ثابت کیا ہے۔

غرض ڈاکٹر محمد شکیل اوج صاحب کی قرآن مجید میں غواصی ان کا شعار بن چکی ہے، آپ قرآن مجید کے ایک ایک لفظ کو مستقل اور غیر منسوخ مانتے ہیں چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب جن پانچ آیتوں کو منسوخ تسلیم کرتے ہیں، ڈاکٹر صاحب انہیں بھی غیر منسوخ ثابت کرتے ہیں اور اپنے مدعا کا بطور خلاصہ یوں لکھتے ہیں کہ (۱) آیت وصیت منسوخ نہیں ہے کیونکہ آیت وصیت اور آیت وراثت میں تطبیق کی شکل موجود ہے (۲) وراثت کے حق میں بھی وصیت جائز ہے یہ بات نص سے ثابت ہے، جو امر قرآن میں وارد ہو وہ منسوخ نہیں ہو سکتا،

قرآن نے کتب ماسبق کو منسوخ کیا ہے اسی لیے وہ آخرالکتب الی یوم القیامہ ہے، قرآنی احکام کو کسی انسانی کتاب سے منسوخ ماننا ہے، اس کتاب کو کتاب اللہ پر حاکم ماننا ہے جو عقلاً و نقلاً ہر اعتبار سے ناقابل قبول ہے، یہ تفصیلی مضمون سہ ماہی مجلہ التفسیر کراچی کے شمارہ اپریل تا جون ۲۰۰۸ میں شائع ہوا ہے۔

عورتوں کے کھلے چہرے کے ساتھ بیرون خانہ زندگی میں کردار:

اس تفصیلی مقالے میں، اسلام میں عورتوں کے پردے اور بیرون خانہ زندگی میں ان کے کردار کا عالمی تناظر میں مدبرانہ احاطہ کیا گیا ہے، ڈاکٹر صاحب موصوف چونکہ ہر معاملے؛ ہر مسئلہ کو قرآنی نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں اس لیے اس عنوان پر بھی انہوں نے بکثرت قرآنی آیات سے مدد لی ہے، سورۂ نور کی آیت ۳۰ اور ۳۱ کہ جن میں مومنین اور مومنات کو غض بصر اور محل خطرات مقامات و اعضاء کی حفاظت کا حکم ہے کو مرکزی محور بنا کر تفصیلی گفتگو فرمائی ہے اور یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ غض بصر کا حکم اسی وقت قابل فہم ہو سکتا ہے کہ جب عورتوں کے چہرے کھلے ہوں، اس کے برعکس یعنی چہروں کے ملفوف ہونے کی صورت میں یہ حکم بے معنی ہوگا نیز دونوں آیتوں میں حرف من تبعیضیہ اس بات پر شاہد ہے کہ نامحرم عورتوں کو نظریں جما کر دیکھنا منع ہے نہ کہ اچانک نظر پڑ جانے یا اچٹتی نظروں سے پھر آیت ۳۱ کے اس جملے ولا یبدین زینتهن الا ما ظهر منها پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس سے مراد بالعموم چہروں، ہتھیلیوں اور پاؤوں کو لیا گیا ہے مگر اس کا اصلی مفہوم آرائش و زیبائش ہے یعنی چہرے، ہتھیلیوں اور پاؤوں کا بناؤ سنگھار، جو کہ موقع و محل کی مناسبت و ضرورت سے اختیار کیا جاتا ہے، مثلاً مہندی، سرمہ، کاجل، نیل پالش، سرخی پاؤڈر، لپ اسٹک وغیرہ سے، کبھی یہ زیبائش و زینت انگوٹھیوں، چھلوں، پازیب اور چوڑیوں سے اختیار کی جاتی ہے، پھر اپنے موقف کی تائید میں ڈاکٹر طاہر القادری، امین احسن اصلاحی، علامہ محمود آلوسی، فخرالدین رازی، ابن جریر طبری کے تراجم و تفاسیر سے شواہد پیش کیے ہیں اور روح المعانی

کے حوالے سے زمخشری سے منقول امام ابو حنیفہؒ کا مذہب بھی اپنے موقف کی حمایت میں تحریر کیا ہے کہ کھلی زینتوں کے مقامات میں عورت کا چہرہ، ہتھیلیاں اور پاؤں مطلقاً ستر سے خارج ہیں۔

اسی طرح سورۂ نور کی مذکورہ آیت ۳۱ کے اس حصے ولیضربن بخمرھن علے جیوبھن سے جو معروف پردہ ثابت کیا جاتا ہے اس پر بھی ڈاکٹر صاحب نے از روئے لغت بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ خمر سے مراد سر ڈھانکنے کی چادر ہے اور جیوب سے مراد قمیض کا گریبان ہے البتہ مجازاً اس سے سینہ مراد ہے یعنی اسلام عورتوں کے سر اور سینے کو ڈھکا ہوا دیکھنا چاہتا ہے، اس سے مراد چہرے کا چھپانا نہیں ہے، نیز اسی آیت ۳۱ میں زینت کا لفظ دو مرتبہ آیا ہے، پہلا زینت غیر محارم کے حوالے سے ہے کہ عورتیں غیر محارم کے سامنے زیبائش و آرائش کی چیزوں کو شعوری طور پر عیاں و نمایاں نہ کریں البتہ از خود ظاہر و عیاں ہو جائیں تو معاف ہیں، زینت کا دوسرا لفظ محارم کے حوالے سے ہے کہ جس کا اظہار بالارادہ محارم کے سامنے جائز و روا ہے مطلب یہ کہ زینت کا لفظ چہرے، دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں اور ان کے بناؤ سنگھار پر مشتمل ہے، ڈاکٹر صاحب نے اپنے موقف میں آٹھ دلائل قائم کر کے اسے ہیں آیات قرآنیہ سے مؤکد کر کے ثابت کیا ہے کہ اسلام میں چہرے کا پردہ نہیں ہے۔

اسی سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ عورتوں کے گھروں میں رہنے اور باہر نہ نکلنے کا حکم ان کے اعمال و کردار پر موقوف ہے یعنی با کردار و دیندار عورتوں کو باہر نکلنے کی پوری آزادی حاصل ہے، اس موقف پر موصوف نے قرآن و حدیث سے ماخوذ بعض واقعات کو اپنی دلیل بنایا ہے، البتہ جو عورت یا وہی پہلے والی باکردار عورت پھر اپنے کردار کو پاکیزہ نہ رکھ سکے تو اس کی نقل و حرکت پر پابندی لگا دینی چاہیے، آخر میں ڈاکٹر صاحب اپنی تحقیق کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں

(۱) عورتیں کھلے چہروں کے ساتھ باقی بدن چھپا کر باہر نکل سکتی ہیں

(۲) اجنبی مردوں سے ضرورت کے تحت گفتگو کر سکتی ہیں۔

(۳) بیرون خانہ ضروری امر کی انجام دہی کے لیے تنہا سفر کر سکتی ہیں۔

مگر یہ مستحضر رہے کہ (مردوں کی طرح) غض بصر اور حفظ فروج کی پابندی ان پر فرض اور خاتون ہونے کے ناطے خمر جیوب (سینہ ڈھانکنا) اور اوناۓ جلباب (سوائے چہرے کے باقی بدن کو سر سمیت ڈھانپنا) اپنی مطلوب معنویت کے ساتھ ان پر لازم ہے، یہ مقالہ سہ ماہی مجلہ التفسیر کراچی کے شمارہ جنوری تا مارچ ۲۰۰۷ء میں شائع ہوا ہے۔

مغفرت ذنب کا معنی و مفہوم:

سورۂ فتح کی دوسری آیت لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر کے ضمن میں مغفرت ذنب کے عنوان سے کافی بحث چلی آ رہی تھی اور طرح طرح کے معانی و مفاہیم بیان کیے جا رہے تھے کہیں یہ لکھا جا رہا تھا کہ ترک اولیٰ بھی ذنب ہے تو کہیں اس کے بر عکس کہ پیغمبر سے ذنب (ترک اولیٰ) کا صدور ہو سکتا ہے کہیں لکھا جا رہا تھا کہ ما تقدم سے مراد حضور ﷺ کے آباؤ و امہات الی آدم و حوا کے ذنوب کی مغفرت ہے اور وما تاخر سے مراد امت محمد یہ الی یوم القیامہ کے گناہوں کی بخشش کی نوید ہے یعنی ہر قلم سے جو کچھ صادر ہو رہا تھا اس سے حضور ﷺ سمیت انبیاء ما سبق کی عصمت پر حرف آ رہا تھا، پھر میرے ہی اصرار پر ڈاکٹر صاحب موصوف نے یہ تحقیقی مضمون تحریر فرمایا تھا۔

ڈاکٹر صاحب نے اس لفظ لیغفر کے معانی و مفاہیم کو پہلے تو لغت کی کسوٹی پر پرکھا ہے پھر متعدد قرآنی آیات میں وارد اس لفظ کے سیاق و سباق میں ترتیب و تطبیق دے کر جو ترجمہ و مفہوم اخذ کیا ہے اس سے دل بھی مطمئن ہو گئے اور عصمت انبیاء بھی اپنی عظمتوں سمیت محفوظ رہی، ڈاکٹر صاحب کی تحقیق انیق کا نچوڑ یہ ہے کہ مغفرت کا مادہ غفر ہے، لغت اور مختلف آیات مقدسہ کی تطبیق سے اس کا معنی بنتا ہے محفوظ رکھنا، نیز ایک مقام پر مغفرت کا لفظ عذاب

کے مقابلے میں وارد ہوا ہے جیسا کہ بقرہ کی آیت ۱۷۵ میں ہے (یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی اور مغفرت کے بدلے عذاب) نیز یہی لفظ سورۂ بقرہ کی آیت ۲۶۸ میں فقر کے مقابلے میں آیا ہے تو یہاں مغفرت کا معنی ہوگا، فقر و افلاس، تنگدستی و احتیاج سے محفوظ رکھنا، اس طرح کی متعدد آیات میں باہم تجزیہ کرنے کے بعد مذکورہ آیت کا مطلب یوں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے بھی آپ ﷺ کو گناہوں سے محفوظ رکھا ہے اور آئندہ بھی رکھے گا۔

علاوہ ازیں ہمارے ہاں ذنب کا معنی گناہ کیا جاتا ہے مگر اس کا معنی الزام، انجام اور تہمت بھی ہے اور یہ تینوں معانی سورۂ آل عمران کی آیت ۵۵، اور سورۂ ذاریات کی آیت ۶۰ سے مستنبط و ثابت ہیں، ان معانی کی رو سے ڈاکٹر صاحب سورۂ فتح کی آیت ۲،۱ کا مطلب یوں تحریر فرماتے ہیں کہ" بے شک ہم نے آپ کو واضح، روشن اور نمایاں کامیابی عطا فرمائی ہے تاکہ آپ کے گذشتہ اور آئندہ کے تمام کاموں کے انجام کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت ہو جائے (جو آپ غلبہ ٔ دین کے یے انجام دے رہے ہیں) اسی طرح ذنب بمعنی الزام بھی ڈاکٹر صاحب کی ترجیح میں شامل ہے اور اپنی اس ترجیح کی تائید میں پیر کرم شاہ الازہری کے ترجمہ کے علاوہ متعدد دیگر علماء کی تحریریں بھی نقل کی ہیں۔

آخر میں اپنی بات کو مؤکد و منقح کرتے ہوئے لکھتے ہیں اگر مغفرت ذنب کا معنی گناہوں کی بخشش کیا جائے تو اس بات کا آئندہ کی تین باتوں سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا اور نہ ہی فتح مبین سے اس کا کوئی تعلق جڑتا ہے، غرض اس طرح کا ترجمہ اس مقام پر بالکل بے جوڑ، بے محل دکھائی دیتا ہے، نیز مغفرت ذنب کا معنی ہر جگہ گناہوں کی بخشش نہیں ہو سکتا، مثال کے طور پر سورۂ تحریم کی آیت نمبر ۸ میں اہل جنت کی دعا میں مذکور ہے ربنا اتمم لنا نو رنا و اغفر لنا (اے ہمارے پروردگار! ہمارے نور کو ہمارے لیے مکمل کر دے اور ہماری حفاظت فرما) اگر یہاں و اغفر لنا کا مطلب ہمیں بخش دے، ہمیں معاف کر دے سے ادا کیا جائے

تو پھر گناہوں کے ساتھ جنت میں جانا ثابت ہو جائے گا جو کہ ناممکن ہے بہر حال اٹھارہ قرآنی آیات یا اجزائے آیات کے علاوہ متعدد مترجمین و مفسرین کی آراء سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ یہاں استغفر کا معنی گناہوں، الزامات، انجام اور تہمتوں سے حفاظت کرنا ہے نہ کہ گناہوں کی معافی مانگنا یا سزا سے بچنے کے لیے بخشش چاہنا؛ یہ مقالہ بھی سہ ماہی مجلہ التفسیر کراچی کے شمارہ اپریل تا جون میں شائع ہوا ہے۔

حقیقتِ ربا اور اس کی اطلاقی نوعیت:

ربا یعنی سود کی بحث آغاز اسلام سے ہنوز جاری ہے، اہل علم ودانش نے اپنے علمی فہم وادراک کے مطابق قدیم وجدید نقطہ آفرینیوں سے کافی حد تک امت کو مستفیض فرمایا ہے، پھر ربا کو جب قرآن وسنت سے فقہی مذاہب میں لایا گیا ہے تو اسے کئی اقسام میں منقسم کیا گیا ہے، ڈاکٹر صاحب موصوف نے اس مسئلہ کو بھی حسب عادت قرآن مجید کے تابع رکھ کر پرکھا ہے، چنانچہ پہلے سورہ روم کی دو آیتوں **فات ذاالقربیٰ حقهٔ تا فأولئک هم المضعفون۔** کو موضوع سخن بنا کر فرمایا ہے کہ یہاں ربا کو زکوٰۃ کے بالمقابل لایا گیا ہے، جن حضرات نے یہاں ہدیہ، تحفے، نیوتے کی شکل میں، ربائے حلال کا تصور پیش کیا ہے وہ غیر ضروری ہے کیونکہ قرآن مجید نے غیر متعین مگر لازمی منافع کو بھی ربا سے تعبیر کیا ہے، نیز جو مال بھی بڑھوتری کے ارادہ ونیت سے لوگوں میں دیا جاتا ہے وہ قانون ایزدی میں غیر ترقی یافتہ ہے یعنی ایسے ربا کی قانون الٰہی میں کوئی گنجائش نہیں ہے، اسی لئے زکوٰۃ کا لفظ ربا کے مقابلے میں رکھا گیا ہے تاکہ معاشرے کے مجموعی مفاد کو ترقی یافتہ بنایا جائے کیونکہ زکوٰۃ سے مال بڑھتا اور پھیلتا ہے جبکہ ربا سے معاشرے کا مفاد بتدریج گھٹتے گھٹتے ختم ہو جاتا ہے۔

اسی عنوان میں سورۃ النساء کی آیت ۱۶۲، ۱۶۱، کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے، اس آیت میں یہودیوں پر پہلے سے حلال کچھ چیزوں کو حرام کر دیے جانے کا ذکر ہے اور اس کے جو اسباب بتائے گئے ہیں ان میں سے تین کو ڈاکٹر صاحب نے موضوع سخن بنایا ہے یعنی ظلم، اللہ کے راستے

سے بکثرت روکنا اور اخذ ربا۔

ڈاکٹر صاحب کی تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ یہود کے جرائم میں ربا کو لفظ اخذ کے ساتھ شدت سے بیان کیا گیا ہے جس میں غلبہ واستیلاء کا مفہوم بھی شامل ہے، نیز ''وقد نھوا عنہ'' کے الفاظ بھی اسی جرم کے ساتھ مختص کئے گئے ہیں حالانکہ ظلم اور دیگر جرائم بھی ''وقد نھوا عنہ'' کے زمرے میں آتے ہیں، مگر ان کے ساتھ یہ الفاظ نہیں لگائے گئے، گویا کہ ظلم وغیرہ جرائم سے بھی ربا بڑا جرم ہے، بہرحال سورۃ روم کی طرح سورۃ النساء میں بھی رباکے مقابلے میں زکوٰۃ کو رکھا گیا ہے۔

اسی طرح سورۃ ال عمران کی آیت ۱۳۰، ۱۳۲ کے ضمن میں ڈاکٹر صاحب کے نتیجہ فکر کا خلاصہ یہ ہے کہ آغاز اسلام میں ہی پہلی مرتبہ براہ راست مسلمانوں کو ربا کھانے سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ لوگ اس کاروبار میں اتنا آگے بڑھ چکے تھے کہ اصل سے کئی گنا زیادہ جبری ربا کا معاشی نظام اُن پر بری طرح مسلط ہو چکا تھا، یہاں تک کہ معاشی اقدار میں اصل زر ناپید ہو چکا تھا، یوں قومی مفاد کا مجموعی سرمایہ تو گھٹ رہا تھا لیکن قومی سرمائے کا مجموعی خسارہ تیزی سے بڑھ رہا تھا، اسی آیت کے ضمن میں ڈاکٹر صاحب کچھ لوگوں کے اس نظریہ کو بھی قلم کی زد میں لے آئے ہیں جو "اضعافاً مضٰعفۃ" سے استدلال کرتے ہوئے ربائے مرکب کی تعبیر میں ربائے مفرد کو جائز ٹھہراتے ہیں کیونکہ ڈاکٹر صاحب کے مؤقف کے مطابق یہ الفاظ تصویرِ حال کے طور پر آئے ہیں جو کہ معاشی ظلم واستحصال کے حقیقی چہرے کو بے نقاب کرتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۷۶ کو بھی اسی حوالے سے موضوع سخن بنا کر لکھا ہے کہ اس آیت میں ربا کے مقابلے میں صدقات کا لفظ آیا ہے جس طرح کہ سورۃ روم، النساء اور ال عمران میں ربا کے مقابلے میں زکوٰۃ کا لفظ آیا ہے، یعنی ربا کے مقابلے میں زکوٰۃ، صدقات ونفقات کے الفاظ آئے ہیں، لہٰذا ان تینوں کا جو مقصود ہے، ربا کا مقصود ان کے بالکل خلاف ہے یعنی ربا کی شکل میں مال غرباء سے امراء کے پاس چلا جاتا ہے جبکہ زکوٰۃ وصدقات

کا مقصود اس کے برعکس ہے، اسی لئے ربا جیسے معاشی نظام کو ظلم سے تعبیر کیا جاتا ہے، ڈاکٹر صاحب نے اس مقالہ میں بین السطور فقہی اصطلاح ربا الحدیث کو بھی دراصل ربا القرآن ہی قرار دیا ہے۔

الغرض ڈاکٹر صاحب نے جاگیرداری نظام میں صریح استحصال کو، نیز بے جا نفع خوری، مصنوعی قلت پیدا کرنے کیلئے احتکار کو بھی ربا میں شامل کیا ہے بلکہ مزید تحریر فرمایا ہے کہ ربا کا جو حکم بینکوں وغیرہ کے منافع پر لگایا جاتا ہے، اس سے بھی بڑا حکم ذخیرہ اندوزوں اور ناجائز منافع خوروں پر لگانا چاہئے، یہ مقالہ سہ ماہی مجلہ التفسیر کراچی کے شمارہ جولائی تا ستمبر ۲۰۰۷ء میں شائع ہوا ہے۔

اسلام کی عالمگیری اور تصور جہاد:

حالات حاضرہ کے تناظر میں ڈاکٹر صاحب کا دو حصوں میں منقسم یہ مقالہ انتہائی وقیع اور اہمیت کا حامل ہے، اسلام کے تصور جہاد کے حوالے سے سورۃ فرقان کی آیت ۴۷، سورۃ بقرۃ کی آیات ۱۸۹، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۲۱۷، ۲۱۶، سورۃ بروج کی آیت ۱۰، سورۃ عنکبوت کی آیت ۱۰، سورۃ نساء کی آیات ۸۹، ۹۰، ۹۱، سورۃ توبہ کی آیات ۴، ۵، ۶، ۱۲، ۳۶، ۳۷، ۸۳، سورۃ انفال کی آیت ۶۱، احزاب کی آیات ۶۰، ۶۱، سورۃ الفتح کی آیت ۱۶، سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۲ یعنی مجموعی طور پر ۴۴ آیات سے استدلال کرکے یہ واضح کیا ہے کہ روئے زمین پر دنیا کا واحد ''مذہب'' اسلام ہے جس نے جنگ کے لئے بھی کچھ مستقل اصول وقوانین متعین کئے ہیں، مزید یہ کہ اسلام اقدامی کے بجائے دفاعی جنگ کا قائل ہے اور جہاں بظاہر اقدامی جنگ کا حکم ملتا ہے تو اس کے پیچھے بھی اصل محرک کے طور پر دفاعی پہلو ہی کارفرما ہے، اسلام جنگ کو پھیلانے کے بجائے محدود دائرے میں رکھنے کا حکم دیتا ہے، مخالف فوج پسپائی اختیار کرلے یا ہتھیار ڈال دے تو جنگ کو فوراً روکنا پڑتا ہے، نیز اسلامی جنگ فی سبیل اللہ ہوتی ہے، ملکی فتوحات اور قومی اغراض کے لئے جنگ جہاد فی سبیل اللہ میں شمار نہیں ہوتی۔

اپنے مؤقف کو مؤکد کرنے کیلئے مزید لکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں قتال کرنے کیلئے

اقتلوھم کا جبکہ دفاع کرنے کیلئے قاتلوا کا صیغہ استعمال ہوا ہے، پھر ان صیغوں پر صرفی ونحوی بحث کرکے ثابت کرتے ہیں کہ "اقتلوھم" کا صیغہ اقدام کے لئے نہیں بلکہ دفاع کیلئے ہے کیونکہ اقتلوا میں شرکت باہمی بالفعل ضروری نہیں ہے کیونکہ پہل کسی بھی جانب سے ممکن ہوسکتی ہے، جبکہ اسلامی جنگ میں اقتلوا کا صیغہ بالقوۃ شرکت باہمی کا تقاضا کرتا ہے، اس اعتبار سے یہ جنگ مسلمانوں کی طرف سے یک طرفہ (اقدامی) طور پر شروع نہیں کی جاسکتی، بلکہ یہ بھی ایک طرح کی جوابی کاروائی ہوتی ہے۔

اسی طرح سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۹۱ میں سے "اخرجوھم من حیث اخرجوکم والفتنۃ اشد من القتل" سے جنگ کے دائرہ وحدود کو متعین کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان الفاظ سے جنگ کی حدود کو بیان کیا گیا ہے کہ اے مسلمانو، جس طرح کفار ومشرکین نے تمہیں مکہ شہر سے بے دخل کیا تھا اسی طرح تم بھی اُن سے اس وقت تک جنگ جاری رکھنا جب تک تم انہیں مکہ شہر سے بے دخل نہ کردو، علاوہ ازیں اس آیت میں کفار کی منفی فعالیت کو فتنہ قرار دے کر اسے جنگ سے بھی بڑھا ہوا فعل قرار دیا گیا ہے، پس اقتلوھم کا حکم ایسے ہی فتنہ پروروں کے لئے آیا ہے اور ان کا فتنہ ہی ان کے قتل کا باعث ہے، مگر اقتلوا کا یہ حکم بھی دراصل دفاعی حکم میں شامل ہے۔

بعدازاں نتیجہ کے طور پر لکھتے ہیں کہ مذکورہ آیت میں اقتلوھم کا صیغہ اپنی تفصیل کے ساتھ یہ مفہوم واضح کررہا ہے کہ وہ یہاں اقدامی جنگ کے بجائے دفاعی معنی میں ہے اور جمع کے اس صیغہ سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ قتال انفرادی فریضہ نہیں بلکہ اجتماعی امر ہے جو امام کی معیت وقیادت میں ادا ہوگا، گویا لشکر کا وجود اور وجوب بطور عبارت النص کے اور امام کا وجوب ووجود بطور اقتضاء النص کے ثابت ہوا، کیونکہ لشکر کا انتظام واجتماع بغیر امام کے ممکن نہیں ہے، یہ مقالہ سہ ماہی مجلہ التفسیر کراچی کے شمارہ جنوری تا مارچ ۲۰۰۵ء میں شائع ہوا ہے۔

سیرت طیبہ کی روشنی میں ایک روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرے کی تشکیل وضرورت:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات کو قرآن مجید نے ہمارے لئے اسوۃ

حسنہ قرار دیا ہے اور یہ سچ ہے کہ آپ کی ذات گرامی نوع انسانیت کیلئے کامل نمونہ ہے، ڈاکٹر صاحب کے لفظوں میں قرآن قال ہے تو حضور اکرم کی ذات حال ہے، قرآن مطالعہ ہے تو حضور کی ذات مشاہدہ ہے، جو کچھ خدا کو مطلوب ہے، وہ سب قرآن میں موجود ہے، جو کچھ قرآن میں موجود ہے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں مشہود ہے گویا قرآن اور صاحب قرآن ایک دوسرے کا جزولاینفک ہیں، قرآن کو صاحب قرآن کے بغیر اور صاحب قرآن کو قرآن کے بغیر سمجھنا ممکن نہیں ہے کیونکہ دونوں کی معرفت ایک دوسرے سے وابستہ ہے۔

ڈاکٹر صاحب کا یہ مقالہ ان کے حساس دل کا ترجمان ہے، چہار سو پھیلی ابتری، فتنہ گری ودہشت گردی، اخلاقی زوال وپستی، افتراق وانتشار یعنی معاشرے کی مجموعی زبوں حالی کو دیکھتے ہوئے موصوف نے حکیمانہ اور بلیغانہ انداز میں ایک راستے کی نشاندہی کی ہے اور بتایا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی روشنی میں جو معاشرہ تشکیل دیا تھا وہ رہتی دنیا تک مینارہ نور کی حیثیت رکھتا ہے، اسلام ایک روشن خیال اور اعتدال پسند دین ہے بلکہ روشن خیال واعتدال پسند جیسی اصطلاحات کا مصداق اتم ہے، جو کہ معاشرے میں کسی بھی نوعیت کی افراط وتفریط کو قبول نہیں کرتا، اس لئے اسلام نے اپنے پیروکاروں کے لئے جو معاشرہ قائم کیا ہے وہ بھی معتدل اور روشن خیال ہے، چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے اسلام کے نظام معاشرت میں سے صرف چودہ نکات کا جائزہ لے کر روشن خیالی اور اعتدال پسندی کو اسلام کا خاصہ بتایا ہے، مذکورہ چودہ نکات میں سے چند ایک کی تلخیص درج ذیل ہے۔

۱) سورۃ الحجرات کی آیت ۱۳ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اسلام انسانوں کے مابین پیدائشی امتیازات وفضائل کو تسلیم نہیں کرتا، کیونکہ جملہ نوع انسانیت کی اصل ایک ہے اس لئے جملہ انسان اصولی طور پر یکساں اہمیت کے حامل ہیں البتہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم ومحترم وہ انسان ہیں جو اللہ تعالیٰ کے قانون کو توڑنے سے ڈرتے ہیں۔

۲) اسلام نے معاشرے کی تشکیل بھی اصول مساوات پر کی ہے، نوع انسانیت میں ہزارہا

برس سے قائم غلام و آقا میں تمیز کو اپنی اصولی تعلیمات سے بالآخر ختم ہی کر دیا، اسی طرح پسماندہ قبیلے کا غلام اگر کسی متمول قبیلے کے غلام کو قتل کر دیتا تو قصاص میں پسماندہ قبیلے کا آزاد آدمی قتل کیا جاتا تھا، اس کے برعکس ہوتا تو قصاص میں متمول قبیلے کا غلام ہی قتل ہوتا، اسلام نے اپنے قائم کردہ معاشرے میں ایسی افراط و تفریط کو ختم کیا، چنانچہ سورۃ بقرۃ کی آیت ۱۷۸ کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب نے واضح کیا ہے کہ آزاد کے خون کی، کسی غلام کے خون پر بھی برتری ثابت نہیں ہوسکتی، کیونکہ بقرہ کی آیت نے قصاص میں آزاد اور غلام دونوں میں برابری، یکساں نوعیت کی حامل قرار دے دی ہے۔

۳) سورۃ بقرہ کی آیت ۲۲۸ کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب نے منقح کیا ہے کہ اسلام تمام مردوں اور عورتوں کو یکساں حقوق عطا کرتا ہے، اس حقیقت سے دنیا کے تمام مذاہب اور تہذیب جدید کے علمبردار بھی بے خبر معلوم ہوتے ہیں، نیز قرآن نے جہاں مثلیت و مماثلت قائم فرمائی ہے وہاں وللرجال علیهن درجة کہہ کر مردوں کو ایک درجہ فوقیت بھی دی ہے اور برتری و فوقیت کا یہ درجہ دراصل گھر کا نظم و نسق بہتر انداز میں چلانے کیلئے قوامیت (نگران) کا ہے جیسے کسی سربراہ ریاست کو ریاست میں ہوتا ہے، اس کے ساتھ عورت کو بھی مرد پر ایک فضیلت بخشی ہے وہ یہ کہ ماں ہونے کی صورت میں اس کے قدموں تلے اولاد کے لئے جنت ہے۔

۴) سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۵۶ کے ضمن میں تحریر فرمایا ہے کہ اسلام کسی کو بالجبر دین میں داخل نہیں کرتا اور نہ ہی کسی کو جبراً دین میں رکھنا پسند کرتا ہے، اسلحہ کے زور پر کسی کو کلمہ پڑھانے والے اپنی آستینوں میں سانپ تو پال سکتے ہیں کسی کو مسلمان نہیں بنا سکتے کیونکہ مسلمان بننے کے لئے زبانی اقرار کے ساتھ قلبی تصدیق و قصد بھی ضروری ہے، نہ کہ موت کا خوف، ایسا شخص مسلمان بن کر نہیں منافق بن کر رہے گا۔

۵) اسلام کی ہدایت کا مرکز و منبع قرآن و سنت ہے جس کا سمجھنا عقل پر موقوف ہے، اس طرح عقل قرآن و سنت کے تابع ہو کر انسانوں کو علم فراہم کرتی اور رہنمائی کا فریضہ انجام دیتی

ہے، عقل چونکہ ایک ارتقاء پذیر شے ہے، جو صدیوں پر محیط بحیثیت مجموعی ہمہ دم جاری و ساری ہے، اس لئے ہر دور کے عقلی تقاضے قرآن و سنت کی روشنی میں دیکھے اور پرکھے جائیں گے، حسن و قبح، صحیح و غلط اور ہدایت و گمراہی کے باب میں فیصلے کئے جائیں گے۔

۶) اسلام کا اپنے قائم کردہ معاشرے میں ایک حکم یہ بھی ہے کہ کسی مذہب و نسل اور تعلق و صل کے امتیاز کے بغیر عدل و انصاف کا سلوک و برتاؤ کیا جائے، اس حوالے سے ڈاکٹر صاحب نے سورۃ المائدہ کی آیت ۸ سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اسلام تو اپنے بدترین دشمنوں سے بھی عدل کا حکم دیتا ہے اور کہتا ہے اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو، ڈاکٹر صاحب مزید لکھتے ہیں کہ آیت ۸ کا یہ فقرہ "وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ" اسی سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۲ میں بھی موجود ہے پھر آیت ۸ میں اس کا اعادہ اس حکم کی خصوصی تاکید کیلئے ہے پھر نتیجے کے طور پر لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر اس سے سبق لیں کہ جب اسلام میں دشمنوں سے بھی عدل و انصاف کا حکم دیا گیا ہے تو پھر اپنے کلمہ گو بھائیوں سے ظلم و زیادتی کو عین عدل کیسے کہا جاسکتا ہے۔

۷) اسی طرح سورۃ ال عمران کی آیت ۶۴ سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ اسلام، اہل کتاب کو اتحاد و موافقت کے رنگ میں قبول حق کی دعوت دیتا ہے۔

۸) سورۃ مائدہ آیت ۴۸ کہ جس میں قرآن مجید کو سابقہ کتب آسمانی کا مصدق کہا گیا ہے سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اسلام تمام آسمانی کتابوں کا یکساں احترام کرتا ہے اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ کسی بھی معاشرے میں قرآن کا نفاذ دراصل تمام آسمانی کتابوں کا نفاذ ہوگا جو کہ اپنی کامل اور محفوظ ترین شکل میں دنیا کے ہر شخص کی دسترس میں ہے، اس عنوان کو مائدہ کی مزید آیتوں مثلاً ۶۸، ۶۶ کے علاوہ آیات نمبر ۴۳ تا ۴۷ میں سے بھی منقح کیا گیا ہے۔

۹) اسلام اپنے قائم کردہ معاشرے میں تمام مذاہب کی عبادت گاہوں کو یکساں محترم و معزز قرار دیتا ہے، یہاں تک کہ درویشوں کے نجی طور پر قائم کئے گئے عبادت خانے بھی اس میں

شامل ہیں، بشرطیکہ وہ عبادت گاہیں ہوں مسجد ضرار کی طرح فتنہ پروری کی آماجگاہیں نہ ہوں، اس ضمن میں ڈاکٹر صاحب نے سورۃ الحج کی آیت نمبر ۴۰ سے استدلال کرتے ہوئے اور چند تفاسیر وکتب تاریخ سے استشہاد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ صحابہ کی جنگوں کے زمانے میں بھی معابد، راہبوں کی خانقاہیں اور عبادت گاہوں کا خیال رکھا جاتا تھا کہ انہیں کسی طرح کا نقصان نہ پہنچے بلکہ بعض معاہدوں کے تحت کلیساؤں کی حفاظت اور ان کی تعمیراتی دیکھ بھال کا انتظام بھی اسلامی حکومت کے ذمہ تھا، اس حکم میں صرف اہل کتاب ہی نہیں مشابہ اہل کتاب بھی شامل تھے، روشن خیالی اور اعتدال پسندی کی ایسی یا اس سے بھی کمتر کی کوئی مثال دنیا کا کوئی مذہب پیش نہیں کرسکتا۔

۱۰) اسلام اپنے معاشرے میں غیر مسلم اقلیتوں کے جان ومال اور آبرو کی حفاظت کا امین اور ذمہ دار ہے، ڈاکٹر صاحب نے اس سلسلے میں سورۃ نساء کی آیت ۹۳، کے علاوہ مسند احمد، بخاری، نسائی، ابن ماجہ، نیل الاوطار، طبرانی اور تفسیرات احمدیہ کے حوالہ جات سے استدلال کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ غیر مسلم اقلیتیں چاہے وہ ذمی ہوں یا معاہد رعایا ہوں ان کی ہمہ جہت حفاظت مسلم ریاست کی ذمہ داری ہے۔

۱۱) سورۃ المائدہ کی آیت ۵ کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب نے منقح کیا ہے کہ اسلام اہل کتاب کے ذبیحہ کو حلال قرار دیتا ہے، مسلمانوں کے طعام کو ان کیلئے اور ان کے طعام کو مسلمانوں کیلئے حلال وجائز کرتا ہے۔

۱۲) اسی طرح اسلام اہل کتاب کی پاکباز عورتوں سے نکاح کی اجازت دیتا ہے، قطع نظر اس کے کہ وہ عورتیں مسلمان ہوجائیں یا اپنے مذہب پر قائم رہیں۔

۱۳) اسی طرح اسلام سال کے چار مہینوں (ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب) میں جنگ کو حرام قرار دیتا ہے۔

۱۴) اسلام سائنسی تحقیقات کو نہ صرف پسند کرتا ہے بلکہ اس پر لوگوں کو آمادہ کرتا ہے، تسخیر

کائنات کو انسانی دلچسپی کا موضوع قرار دیتا ہے آخر میں بطور نتیجہ فکر کہتے ہیں یہ سب وہ امور ہیں جن سے اسلام کی روشن خیالی اور اعتدال پسندی نمایاں ہے ان خصوصیات پر مشتمل معاشرہ کی تشکیل بلاشبہ ہم سب کی ضرورت ہے، یہ مفصل مقالہ سہ ماہی مجلہ التفسیر کراچی کے شمارے اپریل تا جون ۲۰۰۵ء میں شائع ہوا ہے۔

مسلم غیر مسلم افراد اور حکومتوں کے مابین تعلقات:

ڈاکٹر صاحب کا یہ مقالہ حالات حاضرہ کے تناظر میں بہت ہی اہمیت کا حامل ہے اس میں امر جامع، مشاورت، مجلس شوریٰ کا تصور، مسلم قومیت جیسے عنوانات پر تفصیلی گفتگو کے بعد کتب احادیث وسیرت سے ایسے شواہد پیش کئے گئے ہیں جس سے یہ امر واضح ہوجاتا ہے کہ عہد رسالت وعہد خلفاء راشدین میں غیر مسلم افراد، قبائل وقوموں کے ساتھ اہل اسلام کے تعلقات قائم رہے ہیں پھر فرماتے ہیں کہ اسلام نے ہر مذہب کا احترام کیا ہے اور احترام کرنا سکھایا بھی ہے اس نے مخالف قوم سے بھی دوستی اور مودت کا حکم دیا ہے لیکن اس حکم کو من دون المومنین کی قید سے وابستہ کیا ہے یعنی مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کیلئے غیر مسلموں کو اپنا دوست نہ بناؤ، بصورت دیگر دوست بنانے سے نہیں روکا گیا، اس حوالے سے سورۃ ممتحنہ میں مکمل رہنمائی موجود ہے کہ جو کفار مسلمانوں سے مصروف جنگ ہیں اُن سے ہر طرح پر ترک موالات کا حکم دیا گیا ہے دوسری طرف پر امن اور جنگ میں شرکت نہ کرنے والے غیر مسلموں سے احسان وانصاف برتنے کا حکم ہے یعنی غیر مسلم قوموں اور حکومتوں کے ساتھ دوستانہ سیاسی واقتصادی معاہدے بھی کرسکتے ہیں بشرطیکہ اس سے دوسرے مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچے اور بطور استشہاد تحریر فرمایا ہے کہ مہاجرین حبشہ صحابہ کرام نے حبشہ کے عیسائیوں کی حمایت میں ان کے دشمنوں کے خلاف جنگ میں عملاً حصہ لیا تھا تو جنگ حنین میں مشرکین مسلمانوں کی فوج میں شامل تھے اسی طرح عہد خلافت راشدہ میں ایران کی جنگ میں عیسائی مسلمانوں کی فوج میں شامل ہوکر پہلو بہ پہلو لڑے، مفتی احمد یار خان نعیمی نے اپنی تفسیر نعیمی میں تفسیر روح المعانی کے حوالے سے لکھا ہے کہ کفار کو اسلامی لشکروں میں بھرتی کرنا

جائز ہے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قینقاع کے یہود سے جنگ میں مدد لی اور مال غنیمت میں سے بھی انہیں کچھ مال عطا فرمایا اسی طرح غزوہ بنی ہوازن میں صفوان بن امیہ سے مدد لی تھی، خلاصہ یہ کہ غیر مسلم اقوام سے سیاسی، اقتصادی، معاشرتی، عسکری، غرض ہر قسم کے معاہدات ہوسکتے ہیں یہ مقالہ سہ ماہی مجلہ التفسیر کراچی کے شمارہ جولائی تا ستمبر ۲۰۰۰ء میں شائع ہوا ہے۔

حق حضانت۔ ایک قانونی ومعاشرتی مسئلہ:

حق حضانت کا مطلب یہ ہے کہ زوجین میں مفارقت ہوجائے تو بچوں کی پرورش کا حق ماں کو حاصل ہے یا باپ کو؟ یا ماں باپ کے دیگر رشتے داروں کو ہے؟ فقہ حنفی کے مطابق بالعموم فتوئی یہ ہے سات سال کی عمر تک لڑکے کی اور بالغ ہونے تک لڑکی کی پرورش کا حق ماں کو حاصل ہے، کتاب الھدایہ کے مطابق تو ماں اور نانی کا حق حضانت سب پر مقدم ہے مگر اس وقت تک کہ جب بچہ خود ہی کھانے، پینے، پہننے اور استنجاء کرنے کے لائق نہ ہوجائے (عصر حاضر میں تو بچہ سارے کام پانچ سال کی عمر میں کرلیتا ہے۔ سعیدی) پھر حق پرورش باپ کو منتقل ہوجاتا ہے، اسی طرح لڑکی حد بلوغت تک عورتوں کے آداب ومسائل سیکھنے کیلئے ماں اور نانی کی محتاج ہوتی ہے، اس کے عصمت وعفت کے تحفظ کیلئے اسے باپ کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے، المختصر قدوری میں تو پرورش کے درجہ بدرجہ حقداروں کی بالترتیب تفصیل دے کر یہ وضاحت بھی کی گئی ہے کہ ماں نے اگر کسی اجنبی سے شادی کرلی تو حق حضانت ساقط ہوجائے گا، ہاں اگر دیور یا جیٹھ سے شادی کرلی تو حق حضانت قائم رہے گا، مگر حسن بصریؒ کے مطابق ماں چاہے اجنبی سے شادی کرلے تو بھی اسے حق حضانت حاصل رہے گا، واضح رہے کہ امام شافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ دونوں ماں کو لڑکی اور لڑکے کی پرورش کا حق صرف اُن کی سات سال کی عمر تک دیتے ہیں، بعد ازاں بچہ اور بچی کو اختیار حاصل ہے کہ وہ والدہ کے پاس رہنا پسند کریں یا والد کے پاس (میں یہاں واضح کردوں کہ ڈاکٹر صاحب لڑکی کے حوالے سے حنفی مذہب کو صواب سے قریب تر قرار دیتے ہیں

کیونکہ حدیث میں صرف لڑکے کو اختیار دینے کا تذکرہ ہے)

ڈاکٹر صاحب نے اس موضوع پر بچے کی بہبود کو مدنظر رکھ کر قلم اٹھایا ہے اور سورۃ بقرہ کی اس آیت (۲۳۳) سے استدلال فرمایا ہے **لاتضار والدۃ بولدھا ولامولودلہ بولدہ** (نہ کسی ماں کو اس کے بچے کے سبب ضرر پہنچایا جائے اور نہ باپ کو اس کے بچے کے سبب ضرر پہنچایا جائے) یعنی بچے کے سبب مرد و عورت ایک دوسرے کو ضرر نہ پہنچائیں، تو صغریٰ کبریٰ کے نتیجے میں اصل حقیقت یہ مخفی ہے کہ دونوں جانب سے بچے کو ضرر سے محفوظ رکھا جائے، اس لئے اس آیت سے بچے کی بہبود کا نظریہ اخذ ہوتا ہے اب ازروئے قواعد اس آیت کا ترجمہ یوں ہوگا (نہ نقصان پہنچائے ماں اپنے بچے کو اور نہ باپ نقصان پہنچائے اپنے بچے کو)

ڈاکٹر صاحب اپنے حق میں سورۃ لقمان کی آیت ۱۴، سورۃ طلاق کی آیت ۶ سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں "دراصل حق حضانت میں بچے کی بہبود کا تصور ہی ایک فیصلہ کن حیثیت کا حامل ہے جسے نظر انداز کرکے انصاف کے تقاضوں کو پورا نہیں کیا جاسکتا" یعنی بچے کی بہبود جس طرف قوی ہو حق حضانت وہی ادا کرے، بعد ازاں اس قرآنی نظریہ وفکر کی تائید میں ابوداؤد اور نسائی کی احادیث سے استشہاد کرکے آخر میں نتیجہ کے طور پر لکھتے ہیں۔

"حق حضانت کے باب میں یہ قانون خداوندی پیش نظر رہے کہ بچہ، گو ماں یا کسی بھی عورت کے پاس ہو، مالی کفالت کی ذمہ داری بہرحال اس کے باپ پر عائد ہوتی ہے، یعنی بچے، ماں کی بالفعل حضانت کے باوجود باپ کی تعبیری حضانت میں ہوتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے "**وعلی المولود لہ رزقھن وکسوتھن بالمعروف**" (بقرہ ۲۳۳) اور بچے کے باپ پر حسب دستور، عورتوں کا کھانا اور پہننا (لازم) ہے، اس آیت میں بچے کے تعلق سے ان کی ماں کے نان ونفقہ، لباس، علاج معالجہ، بستر، توشک، غرض ہر ایک ضرورت کی ذمہ داری باپ پر ڈالی گئی ہے، جب بچے کے تعلق سے اس کی ماں کا اتنا خیال رکھا گیا ہے تو اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام کو خود بچوں کی بہبود کا کتنا لحاظ اور خیال ہوگا، اسی طرح طلاق دینے کے بعد شوہروں کو ان کی

حاملہ بیویوں کے نان ونفقہ، رہائش نیز دیگر ضروریات زندگی پوری کرنے کا پابند کیا گیا ہے تاوقتیکہ وہ بچہ نہ جن لیں، بایں حوالہ انہیں ہر قسم کے ضرر سے بچانے کا حکم دیا گیا ہے، ضرر تو ضرر انہیں تو دودھ پلانے کی اجرت تک ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بچے کی عملی پرورش اور دیکھ بھال کی ذمہ دار، ماں ہوتی ہے مگر مالی کفالت کا ذمہ دار ہر حال میں باپ ہوتا ہے۔

بعدازاں خلاصہ بحث میں لکھتے ہیں ہمارے نزدیک بچہ کی بہبود کا مطلب یہ ہے کہ حق حضانت کا فیصلہ ہر حال میں بچہ کے مفاد میں اور مستقبل کے پیش نظر کیا جائے وہ مفاد خواہ ماں کو دے کر پورا ہوتا ہو خواہ باپ کو دے کر، خواہ خود بچہ کو اختیار دے کر، اس لئے کہ احادیث میں ہمیں تینوں طرح کے فیصلے ملتے ہیں، مگر یہ امر ملحوظ رہے اس حق کا فیصلہ بچہ کی عمر تمیز کے بعد کیا جائے گا، جو بالعموم سات سال مانی گئی ہے اور بچی کا اس کے بلوغ کے بعد، ڈاکٹر صاحب کا یہ وقیع مقالہ، سہ ماہی التفسیر کراچی کے شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ میں شائع ہوا ہے۔

ہدایت وضلالت میں انتخاب کی آزادی:

ڈاکٹر صاحب کا یہ مضمون سورۃ نحل کی آیت ۹ کی روشنی میں تحریر کردہ ہے، اس آیت کے دو الفاظ ''قصد السبیل'' اور ''جائز'' کو آمنے سامنے رکھ کر تحقیق کی گئی ہے، **وعلی اللہ قصد السبیل** کے دو ترجمے کئے گئے ہیں (۱) اور اللہ پر سیدھی راہ کا بتا دینا ہے (۲) اور اللہ تک پہنچتا ہے سیدھا رستہ۔۔۔ ان دونوں معنوں کی صحت کو سورۃ اللیل کی آیت ۱۲، سورۃ بقرہ کی آیت ۱۴۰، سورہ الحجر کی آیت ۴۱، اور سورۃ ھود کی آیت ۵۶ سے مؤکد کیا گیا ہے مطلب یہ کہ قصد، لفظ جائز کی ضد ہے، جائز کا معنی ہے سیدھے راستے سے پھرنے والا، تو قصد یعنی قاصد کا معنی ہوا معتدل راستے پر چلنے والا اور امر معتدل تکوینی وتشریعی دونوں پہلوؤں کو متضمن ہے، تکوینی پہلو سے اس طرح کہ اللہ تعالی نے انسان کو مختلف النوع توانائیاں اور استعدادیں مرحمت فرمائی ہیں، جیسا کہ عقل، انسان کو اس کے ارتقاء کی راہ میں مدد کرتی ہے اور قصد السبیل یعنی امر معتدل کی ہدایت پر مائل کرتی ہے، تشریعی پہلو یہ ہے کہ اللہ تعالی نے انسانوں کی رہنمائی کیلئے اپنی ہدایات کے ساتھ

نبیوں کو مبعوث فرمایا ہے، قصد السبیل کی عظمت کا اندازہ اس طرح لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالی نے اسے اپنا فریضہ قرار دیتے ہوئے ''علی اللہ'' فرمایا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی اس تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ **ولوشاء لھدکم اجمعین** کے تحت اگر اللہ چاہتا تو تمہیں جبراً ہدایت یافتہ کردیتا، لیکن اس نے ایسا نہیں کیا، کیونکہ جبری ہدایت تمہارے ارادہ واختیار کی نفی ہے اس طرح تمہاری نیکیوں، خوبیوں اور صلاحیتوں میں تمہارا کوئی کردار نہ ہوتا، جبکہ اللہ تعالی اپنے بندوں کو اس زمین پر آزاد دیکھنا چاہتا ہے لہٰذا بعض انسانوں کا منحرف راستوں کو اختیار کرنا اور بعض کا قصد السبیل کی طرف آنا انسان کے اختیار کی آزادی کی واضح دلیل ہے، جیسا کہ سورۃ دھر کی آیت ۳ میں ہے **انا ھدینہ السبیل اما شاکرا واما کفورا** ہم نے اس کے لئے صحیح راستے کی ہدایت کردی ہے وہ چاہے تو ماننے والا بن جائے اور چاہے تو انکار کرنے والا'' لہٰذا راستے کے انتخاب میں کوئی جبر نہیں ہے اور ہدایت اسی کو دی جاتی ہے جو مجبور نہ ہو، یہ مضمون سہ ماہی التفسیر کے شمارہ جولائی تا ستمبر ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا ہے۔

زوج اور سوت دو متقابل اصطلاحیں

ڈاکٹر صاحب کے اس مقالے کا خلاصہ یہ ہے کہ لفظ سوت یا سوکن کا کوئی تصور اسلام میں موجود نہیں ہے مگر بدقسمتی یہ ہے کہ ان ہندوانہ لفظوں کو ان کے معنی سمیت ہم نے شریعت بھی سمجھ لیا ہے، حالانکہ اسلام نے سوت کے بجائے زوج کا تصور دیا ہے۔

سوکن یا سوت کا لفظ اردو زبان میں اس بیوی کیلئے بولا جاتا ہے جو پہلی بیوی پر لائی گئی ہو، اس طرح ایک خاوند کی دو بیویاں باہم سوکن کہلاتی ہیں، سوکن اور سوت کے حوالے سے اردو اور ہندی زبان کے متعدد محاورے، کہاوتیں وغیرہ جو مسلم معاشرے میں رائج ہیں اور ہمارے تفسیری ادب میں شامل ہو چکی ہیں وہ دراصل وحی خداوندی کے تقدس کو پامال کرنے کی سازش ہے، کیونکہ اسلام میں پہلی زوج کی موجودگی میں دوسری زوج لانے کا تصور، مذکورہ ہندی، اردو محاوروں کے بالکل برعکس ہے، وحی خداوندی کے مطابق دوسری شادی کا تصور اپنی روح کے اعتبار

سے ایک مثبت عمل ہے جسے جہالت کے سبب ہماری معاشرت میں حقی سمجھا گیا ہے، ڈاکٹر صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ نکاح ثانی کو سوکن کے تصور سے مملو کرنے والوں نے دراصل قرآنی حسن معاشرت کو مسخ کرنے کی کوشش کی ہے کیونکہ سوکن کا مروجہ تصور، غیر اسلامی معاشرہ میں تو ممکن ہے، مگر اسلامی معاشرے میں اس کی معمولی سی بھی گنجائش نہیں ہے، یہ مقالہ سہ ماہی التفسیر کراچی کے شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء میں شائع ہوا ہے۔ بلاشبہ ڈاکٹر صاحب کا یہ مقالہ، اپنی نوعیت کا ایک منفرد مقالہ ہے۔ اسلامی لٹریچر میں اس فکر کا مضمون اس سے پہلے نہیں لکھا گیا۔ مجھے اطلاع ہے کہ مفتی منیب الرحمن صاحب نے اس مضمون کو سراہا تھا اور ڈاکٹر صاحب کو اس منفرد فکر کے حامل مضمون پر مبارکباد پیش کی تھی۔

پی ایچ ڈی کا مقالہ اور اختلاف کی مثال:

پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج کا پی ایچ ڈی میں مقالہ کا عنوان تھا "قرآن مجید کے آٹھ منتخب اردو تراجم کا تقابلی جائزہ" ابھی یہ مقالہ تحریری مراحل میں ہی تھا چہ میگوئیاں شروع ہوگئی تھیں، آخر مقالہ تکمیل کو پہنچا اور ڈگری بھی ایوارڈ ہوگئی، جبکہ اس مقالہ کا ایک لفظ بھی کہیں طبع نہیں ہوا تھا کہ مختلف مکاتب فکر کے علماء کی طرف سے یہ آوازیں آنے لگیں کہ ہمارے مکتب فکر کے شیخ کے ترجمہ کی تغلیط کی گئی ہے یا ہمارے بزرگ و امام کے ترجمے کو فلاں کے ترجمے کے مقابلے میں مرجوح و مردود قرار دیا گیا ہے، انہیں دنوں، ڈاکٹر صاحب کے استاد محترم شیخ الحدیث علامہ غلام جیلانی زید مجدہ کی تحریک پر جامعہ نضرۃ العلوم کے بانی حضرت مفتی محمد الیاس رضوی مدظلہ العالی نے اپنے ادارہ میں ہی، ڈاکٹر صاحب کے اعزاز میں ایک استقبالیہ تقریب منعقد کی، جس میں متعدد معروف اور اہم شخصیات نے شرکت کی، میں بھی اس تقریب میں مدعو تھا تقریب میں موجود ایک نہایت ہی محترم و نامور شخصیت مفتی منیب الرحمن (چیئرمین رویت ہلال کمیٹی پاکستان) نے فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب مسلکی پابندیوں سے آزاد ہیں وہ کچھ بھی لکھیں، لکھ سکتے ہیں یعنی ایک طرح سے یہ، ڈاکٹر صاحب کے غیر تقلیدی رو

یہ کی طرف لطیف اشارہ تھا، مگر نہ الزام دینے والوں نے سوچا اور نہ سننے والوں نے، کہ مقالہ ابھی طبع ہو کر مارکیٹ میں نہیں آیا تو اس کے مندرجات اور وہ بھی حقائق کے برعکس کیسے مشہور اور منظر عام پر آگئے؟

بہر حال نادیدہ قوتوں کا دیدہ و دانستہ یہ کردار اس وقت دم توڑ گیا جب مقالہ طبع ہو کر منظر عام پر آگیا۔ ایک لطیفے کی بات یہ ہے کہ ایک محفل میں ایک مسلک کے معروف عالم دین سے ملاقات کے دوران میں نے مجلہ التفسیر کا شمارہ انہیں پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ اس میں، ڈاکٹر محمد شکیل اوج کے مقالہ (پی ایچ ڈی) پر میرا تحریر کردہ تبصرہ و تعارف موجود ہے اسے ضرور پڑھیے گا جسے انہوں نے با دل نخواستہ قبول فرمایا اور پھر اسی شب اسے پڑھا بھی، پھر صبح فون کر کے اصل مقالہ طلب فرمایا، پھر ہفتہ دس دن بعد مجھے چائے پر بلایا اور فرمایا کہ ہمارے پاس جو اطلاعات تھیں ویسی تو اس مقالہ میں کوئی بات نہیں ہے جبکہ ہمارے لوگ تو پروپیگنڈہ سے متاثر ہو کر اسے پڑھنے اور خریدنے سے کترا رہے ہیں، حالانکہ اس مقالہ میں نہ کسی ترجمہ کی تغلیط کی گئی ہے نہ کسی کو مرجوح و مردود قرار دیا گیا ہے، انہوں نے تو صرف یہ کیا ہے کہ آیت کے سیاق و سباق، ادب اور توضیح و تنقیح کے حوالے سے جس ترجمہ کو زیادہ بہتر و موزوں سمجھا ہے اسے اختیار کیا ہے، غرض کہ ڈاکٹر صاحب کے متعدد مقالات و مضامین یعنی محصنین اہل کتاب سے مسلمان عورتوں کا نکاح، مسیار میرج، حق حضانت اور نیل پالش کے علاوہ باقی تحریروں سے اہل علم کو اصول و فروع میں کوئی اختلاف نہیں ہے جبکہ فروع میں اختلاف کی گنجائش موجود ہے بلکہ فروع میں احکام و عبادات ہوں یا معاملات کوئی بھی مسئلہ متفق علیہ نہیں ہے یہاں تک کہ توحید کے فروع (وجود و شہود) میں بھی اختلاف ہے وقس علی ھذا

اب ذیل میں میرا وہ تبصرہ ملاحظہ کیجئے جو ڈاکٹر صاحب کے مقالے پر سپرد قلم ہوا تھا۔

قرآن مجید کے آٹھ منتخب اردو تراجم کا تقابلی جائزہ

محترم ڈاکٹر محمد شکیل اوجؔ کی قبل ازیں بھی چند کتب ومقالہ جات طبع ہو کر اہل علم میں مقبولیت کی سند حاصل کر چکے ہیں اور یہ کہنا بھی مناسب ہو گا کہ اُن مقالات وکتب نے ڈاکٹر صاحب موصوف کے زاویہ فکر کا تعین کردیا ہے اور قرآن سے ان کے تعلق اور گہری لگن کو بھی مشخص کر دیا ہے اور زیرنظر کتاب ''قرآن مجید کے آٹھ منتخب اردو تراجم کا تقابلی جائزہ'' اس تعلق کی بین شہادت ہے۔ یہ کتاب ڈاکٹر صاحب کا وہ تحقیقی مقالہ ہے جس پر جامعہ کراچی نے موصوف کو پی ایچ ڈی (Ph.D) کی ڈگری ایوارڈ کی ہے۔اس کتاب کی جامعیت واہمیت تو اس کے نام سے ہی عیاں ہے، پھر جن منتخب آٹھ اردو تراجم کا تقابلی جائزہ لیا گیا ہے، اُن میں سے ہر مترجم اپنے فکر وعقیدہ میں اسکول آف تھاٹ کی حیثیت کا حامل ہے اور وہ بھی ایسے جو اپنے متبعین ومعتقدین میں حرفِ آخر ہیں۔ ایسے حضرات کے تراجم کو تقابل وتجزیہ کی کسوٹی پر پرکھنے کی سعی کو جسارت کا نام ہی دیا جا سکتا ہے لیکن اس شخصیت پرستی کے عہد میں صرف اور صرف ایک محقق ہی ایسا قدم اٹھا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈگری ایوارڈ ہونے کے ساتھ ہی جہاں اہل علم ودانش نے اس سعی جمیل کو بے حد سراہا، وہاں مطالعہ کی زحمت سے ناآشنا شخصیت پرستوں نے چہ میگوئیاں بھی کیں اور اپنے زعم کے زیر سایہ یہ باور کرلیا کہ ضرور ہمارے مقتدا کے ترجمہ کو کمتر کرنے کی کوشش کی گئی ہوگی۔ چنانچہ اس سوچ کو عوامی محافل ومجالس میں خوب پھیلایا گیا، مگر ''الحق یعلوا و لا یعلیٰ'' کے مصداق حق نے اپنی رفعت کو خود تسلیم کروایا کہ اہل علم میں ان منتخب اردو تراجم کے تقابلی جائزے کی خوب پذیرائی ہوئی۔ اب یہ مقالہ دارالتذکیر لاہور سے کتابی

شکل میں طبع ہو کر منظر عام پر آ گیا ہے۔

اس تحقیقی مقالہ میں تین فصول ہیں۔ فصل اوّل بطور مقدمہ کے ہے جس میں موضوع کی اہمیت، ضرورت اور تعارف کے زیرِ عنوان قرآن مجید کے اردو تراجم کی افادیت کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ تراجم کی نوعیت اور اپنے عہد کے اسکول آف تھاٹ ہونے کی عقدہ کشائی بھی کی گئی ہے اور اپنے مضبوط طرزِ استدلال سے یہ باور کرایا ہے کہ قرآن فہمی کو زندانِ مسلک میں مقید نہ کیا جائے بلکہ مسلک کو تصورِ قرآن کے عین سانچے میں ڈھالا جائے۔ چنانچہ فاضل محقق نے اسی نقطۂ نظر کو اجاگر کرنے کے لیے آٹھ منتخب اردو تراجمِ قرآن کے حسن کو ایک گوہر شناس جوہری کی طرح پرکھا ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے جن ذی وقار شخصیات کے تراجم کو موضوعِ تحقیق وتجزیہ بنایا ہے وہ درج ذیل ہیں۔

(۱) مولانا محمود الحسن دیوبندی	(۲) مولانا احمد رضا خان بریلوی
(۳) مولانا ثناء اللہ امرتسری	(۴) مولانا عبدالماجد دریابادی
(۵) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی	(۶) مولانا امین احسن اصلاحی
(۷) مولانا پیر محمد کرم شاہ ازہری	(۸) مولانا ابومنصور

فاضل محقق نے مذکورہ مترجمین عظام کے تراجم سے منتخب آیات کا تقابلی جائزہ ''اقیموا الوزن بالقسط'' کے تتبع میں کیا ہے اور اس سلسلے میں کسی مترجم کی عقیدت کو تحقیق کی راہ میں سدِ سکندری نہیں ہونے دیا اور نہ ہی کسی طرف اپنے جھکاؤ کو ظاہر ہونے دیا ہے۔ یہی ایک محقق ونقاد کا عدل ہے۔

فصل دوم میں موضوع کا دائرہ بحث وتحقیق کو بیان کرنے کے لیے چھ ذیلی عنوانات قائم کیے ہیں اور ساتھ ہی اپنی تحقیق وتجزیہ کے لیے دیگر محققین کی طرح مختلف سورتوں سے من پسند آیات کا انتخاب کرنے کے بجائے ''عم پارہ'' کو بنیاد بنانے کی وجہ بھی بیان کر دی ہے، ورنہ حسب روایت یہ تاثر پیدا ہو جاتا کہ یہاں بھی کسی پسندیدہ ترجمہ کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی

ہے۔ نیز اس فصل میں یہ بھی واضح کر دیا کہ عم پارہ کی صرف انہی آیات مبارکہ کو موضوعِ تحقیق وتجزیہ بنایا ہے جن کے ترجمہ میں مترجمین کے مابین کوئی معنوی، لغوی، صرفی، نحوی یا ادبی فرق محسوس کیا ہے، جن آیات کے تراجم میں کوئی معنوی یا لغوی فرق نہیں تھا یا وہ آیات کہ جن کو، کوئی اپنے مسلک کے لیے نمائندہ تصور کرتا ہے انہیں دائرۂ تحقیق وتقابلی جائزے میں نہیں لایا گیا۔

فصل سوم میں موضوع کے لازمی مصادر اور اسلوبِ تحقیق کے زیرِ عنوان اختیار کیے گئے طرزِ تحقیق اور اسلوبِ نگارش کو مفصل بیان کر کے بطور نتیجہ یہ بتایا گیا ہے کہ اس اندازِ تحقیق سے مذکورہ تراجم کے حوالے سے بوقلموں اور متنوع اختلافی امور اظہر من الشمس ہو گئے ہیں۔ یہ فصل چھ ابواب اور اختتامیہ پر مشتمل ہے۔

پہلے باب میں عہد نبوی ﷺ سے عہد حاضر تک قرآن حکیم کے ترجموں کی ضرورت واہمیت پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے اور علامہ سیوطی کی الاتقان کے حوالے سے تقریباً 59 مفسر قرآن صحابہ کرام کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اسی طرح عہد تابعین میں حضرت عبداللہ ابن عباس کی سربراہی میں مکہ مکرمہ کے تفسیری مکتب، حضرت ابی بن کعب کی سربراہی میں مدینہ منورہ کے تفسیری مکتب اور حضرت عبداللہ بن مسعود کی سربراہی میں عراق کے تفسیری مکتب سے مع اسماءِ مفسرین روشناس کرایا گیا ہے پھر ترجمہ کی ضرورت واہمیت کو یہ کہہ کر اجاگر کیا گیا ہے کہ قرآن مجید کے مدعا ومفہوم کو سمجھنے اور قرآن سے حصولِ افادہ واستفادہ کے لیے ترجمہ بنیادی شرط ہے۔ اس کے بغیر قرآن کی تفہیم وتفسیر اور مراد تک رسائی ناممکن ہے، یہی وجہ ہے کہ دنیا کی بکثرت زبانوں میں قرآن مجید کا ترجمہ ہوا ہے اور یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

دوسرے باب میں قرآن مجید کے اردو تراجم کی ابتداء اور اس کا ارتقائی جائزہ لے کر یہ بتایا گیا ہے کہ دسویں صدی ہجری یعنی کم وبیش چار سو سال پہلے سے اردو میں قرآن کریم کے تراجم کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور اسی صدی کے اواخر میں تفسیری حاشیہ نگاری بھی شروع ہو گئی تھی، اگرچہ یہ دونوں کام مکمل اور بالاستیعاب نہیں تھے اور زبان بھی ابتدائی عہد کی تھی پھر بھی کام ہوا

اور اسی عہد کی ضرورت کو کچھ نہ کچھ پورا کیا گیا۔جن کے کئی مخطوطے (قلمی نسخے) مختلف کتب خانوں اور لائبریریوں میں محفوظ ہیں، جبکہ لفظی اور بامحاورہ اردو میں مکمل ترجمہ قرآن شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر دہلوی کے ہیں یعنی دونوں کے مکمل تراجم کا سہرادونوں بھائیوں کے سر ہے۔ نیز اس باب میں تفہیم قرآن کے ارتقاء پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اور ساتھ ہی انیسویں صدی کے مکمل اور مطبوعہ تراجم قرآن کا مختصر اشاریہ بھی دیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ 1829ء سے 1900ء تک اردو زبان میں 34 مکمل تراجم قرآن طبع ہو کر منظرعام پر آئے۔ اس کے بعد بیسویں صدی یعنی 1901ء تا1983ء تک قرآن مجید کے وہ اردو تراجم جو کہ غیر مطبوعہ اور مکمل ہیں ان کا اشاریہ دیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گذشتہ صدی میں 53تراجم قرآن طبع ہو کر منظر عام پر آئے ان میں34تراجم تو مع ضخیم تفاسیر وحواشی کے ہیں صرف نوعدد محض تراجم ہیں۔ نیز کچھ تفسیری تراجم کی بھی نشاندہی کی گئی ہے۔ واضح رہے کہ 1983ء کے بعد کے تراجم اس میں شامل نہیں کیے گئے، اسی طرح انیسویں اور بیسویں صدی کے غیر مطبوعہ تراجم کا بھی ذکرنہیں کیا گیا۔

تیسرے باب میں آٹھ منتخب اردو تراجم کے ترجمہ نگاروں کی حیات کا تعارف اس طرح کرایا گیا ہے کہ ان کا خاندانی پس منظر، ولادت، تحصیل علم، پھر علمی، تدریسی، تحریکی، تقریری وتصنیفی کاوشوں اور کارناموں کا مکمل احاطہ کیا گیا ہے،اس سلسلے میں کم وبیش 91 صفحات وقف کیے گئے ہیں۔

چوتھے باب میں منتخب آیات کے ترجمہ کے تقابلی جائزے سے پہلے اس حقیقت کا اظہار کر دیا گیا ہے کہ قرآن مجید کی الہامی ومعجزاتی زبان کا کسی بھی زبان میں من وعن ترجمہ کرنا اگرمشکل نہیں تو آسان بھی نہیں ہے اور کوئی بھی مترجم ہزارہا زبان وبیان پر قدرت رکھنے اور سعی وجہد کے باوجود اس پر قادر نہیں ہو سکا، بایں ہمہ مترجمین نے حسب استطاعت اپنے اپنے فہم وادراک اور علمی وسعت کے مطابق قرآنی الفاظ کے معنی ومفہوم کو اپنی اپنی زبانوں میں منتقل

کرنے کی جو سعی بسیار کی ہے وہ لائق تحسین ہے۔

محقق کے اس اظہار حقیقت کے بعد یہ امر عیاں ہو گیا کہ منتخب اردو تراجم کے مترجمین کی کاوشوں کو سراہا گیا ہے اور ان کے تراجم کو زبان وبیان، مروّج گرامر، مرادات، محذوفات، ماقبل ومابعد سے رابطہ، ادبیات اعلیٰ اور لغت واصطلاح کی کسوٹی پر پرکھا گیا ہے پھر جو ترجمہ کسی بھی زاویہ سے الفاظ قرآن کی روح کے مطابق ٹھہرا، اسے ماہر صراف کی طرح آب زر سے مزید چمکا دیا یعنی سونے پر سہاگہ کر دیا ہے کیونکہ محقق کا اصل مقصود کسی ترجمہ کو نہیں بلکہ قرآن مجید کے مفہوم ومعنویت کو اجاگر کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دوسرے تراجم کی بھی تنقیص وتغلیط نہیں کی اور نہ ہی کسی مترجم کی تحقیر کی ہے بلکہ ایسے بعض تراجم اور ان کی زبان وبیان کو ان کے عہد کے رائج الوقت ادب کی ترجمانی قرار دے کر بھی تحسین فرمائی ہے، جیسے سورۃ النباء کی ابتدائی تین آیتوں کے آٹھوں ترجمہ نگاروں کے تراجم نقل کرنے کے بعد محقق نے تقابلی جائزہ میں لکھا ہے کہ مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا احمد رضا خان بریلوی، مولانا محمودالحسن دیوبندی، مولانا عبدالماجد دریا بادی اور مولانا امین احسن اصلاحی نے دوسری آیت کا ترجمہ سادہ خبریہ اسلوب کے تحت کیا ہے جب کہ مولانا منصور نے تیسری آیت کا ترجمہ سادہ خبریہ اسلوب سے کیا ہے لیکن مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور پیر محمد کرم شاہ ازہری نے استفہامیہ اسلوب کے تحت ترجمہ کیا ہے پھر نتیجہ میں مؤخر الذکر سید ابوالاعلیٰ مودودی اور پیر محمد کرم شاہ ازہری کے ترجمہ کی تحسین کرتے ہیں کہ مضمون میں زور اور شدت پیدا کرنے کیلیے خبریہ اسلوب کے مقابلے میں استفہامیہ اسلوب زیادہ بہتر ہوتا ہے، مطلب یہ کہ اگر مؤخر الذکر ترجموں کی تحسین کی گئی ہے تو باقی چھ تراجم کی تغلیط نہیں کی گئی ہے بلکہ سادہ خبریہ اسلوب کو بھی اپنی جگہ درست تسلیم کیا گیا ہے۔

اسی طرح سورۃ النباء کی آیت 4اور5 کے آٹھوں منتخب تراجم نقل کرنے کے بعد لفظ "کلا" پر نحوی بحث کر کے یہ واضح کیا ہے کہ لفظ "کلا" کب ردع، زجر اور حقا کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور کب یہ کسی کلام کو مسترد کرنے کیلیے بطور اسم استعمال ہوتا ہے۔ پھر بطور نتیجہ

بیان کرتے ہیں کہ مذکورہ نحوی بحث کے بعد مناسب یہ ہے کہ ''کلا'' کا معنی ہرگز نہیں/ ایسا نہیں یعنی نفی میں کرنے کے بجائے اثبات میں کیا جائے جیسا کہ مولانا احمد رضا بریلوی، پیر محمد کرم شاہ الازہری اور مولانا ابو منصور نے کیا ہے۔ نیز **سیعلمون** کا مفعول صرف پیر محمد کرم شاہ الازہری اور عبدالماجد دریابادی نے متعین کیا ہے، جب کہ پیر محمد کرم شاہ نے تو بھرپور معنویت پیدا کرنے کے لیے **سیعلمون** کے محذوف کی بھی عقدہ کشائی کر دی ہے۔ اس طرح انہوں نے اپنے ترجمہ میں سارے حسن سمو لیے ہیں۔ چنانچہ محقق نے یہاں بھی اگر پیر محمد کرم شاہ الازہری اور عبدالماجد دریابادی کے ترجموں کی تحسین کی ہے تو دیگر تراجم کی اہمیت سے بھی انکار نہیں کیا۔ بایں ہمہ معلوم یہ ہوا کہ محقق کی نظر ترجمہ کے لفظی حسن پر نہیں بلکہ ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ کون سا ترجمہ الفاظ قرآنیہ کا حقیقی عکس لیے ہوئے ہے۔ چنانچہ یہاں بھی اصل مقصود قرآن کی معنوی عظمت کو بلند کرنا ہے۔

اسی سورۃ النباء کی آیات 6تا17 کے آٹھوں تراجم نقل کرنے کے بعد محقق نے تجزیہ کر کے پہلے تو یہ منقح کیا ہے کہ تیسری آیت میں اسلوب کلام باعتبار الفاظ اگرچہ خبریہ ہو گیا ہے لیکن باعتبار معنی یہ پہلی آیت پر معطوف ہے جیسا کہ سورۃ الم نشرح کا اسلوب ہے یعنی آیت نمبر2 **ووضعنا عنک وزرک** لفظاً سادہ خبریہ اسلوب کے تحت ہے لیکن معناً استفہامیہ اسلوب کے تحت ہے، اس حوالے سے ان آٹھوں تراجم میں صرف امین احسن اصلاحی کا ترجمہ استفہامیہ انشائیہ اسلوب پر کیا گیا ہے جو کہ زیادہ مؤثر اور دلنشین ہے مگر دیگر تراجم جو خبریہ اسلوب پر کیے گئے ہیں ان کی افادیت سے بھی صرف نظر نہیں کیا گیا۔

اسی طرح اسی سورۃ کی آیت ''**وبنینا فوقکم سبعا شدادا**o'' کے آٹھوں تراجم کو تحقیق و تجزیہ کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد محقق نے مولانا احمد رضا بریلوی، مولانا محمود الحسن دیوبندی اور مولانا ابو منصور کے لفظ آسمان کے اضافہ کے بغیر ترجموں کو خوب تر قرار دیا ہے اور پھر ان تینوں ترجموں پر قائم ہونے والے ایک اعتراض کا جواب بھی دے دیا ہے کہ بعض ماہرین کے

حساب کے مطابق اطراف زمین میں پائے جانے والے خطۂ ہوا کی استقامت، جو ایک سو کلو میٹر سے بھی زیادہ ضخیم ہے وہ ایک پولا ڈین کی چھت کی دس میٹر کی ضخامت کے برابر ہے اور **سبعا شدادا** کی یہ ایک تفسیر ہے۔ مطلب یہ کہ تینوں مترجمین نے جو بغیر لفظ آسمان کے اضافہ کے ترجمہ کیا ہے تو وہ اس لیے اصح ہے کہ آسمان **سبعا شدادا** کی تفسیر میں موجود ہے، البتہ دیگر پانچ مترجمین نے لفظ آسمان کے اضافہ سے جو ترجمہ کیا ہے وہ ترجمہ در ترجمہ ہے یعنی یہ تراجم بھی تفسیری ترجمہ ہوتے ہوئے لائق التفات ہیں۔

سورۃ التکویر کی آیت ۱۵ تا ۱۸ کے آٹھوں ترجمے نقل کرنے کے بعد محقق نے اپنے تجزیہ میں یہ نشاندہی کی ہے کہ مولانا احمد رضا بریلوی اور مولانا محمود الحسن دیوبندی کے ترجموں میں ستاروں اور سیاروں کے عدم ذکر کے حوالے سے ایک قدر مشترک ہے جب کہ ان دونوں حضرات کے لفظ **عسعس** کے ترجمہ میں تاویل ممکن ہے جس کی رو سے مولانا احمد رضا بریلوی کا ترجمہ لائق ترجیح ہے۔ اسی طرح مولانا امین احسن اصلاحی اور سید ابوالاعلیٰ مودودی کے ترجمہ میں بھی ایک قدر مشترک کی نشاندہی کی گئی ہے کہ انہوں نے لفظ ''فلا'' کا ترجمہ پس نہیں کیا ہے جب کہ قسم سے پہلے اگر ''لا'' اور ''فلا'' جس طرح یہاں آیا ہے وہ قسم کی نفی کے لیے نہیں بلکہ مخاطب کے معهود ذہنی کی نفی کے لیے آتا ہے اور اس سے مقصود اس کی تردید ہوتی ہے۔ چنانچہ اس مقام پر سید ابوالاعلیٰ مودودی اور امین احسن اصلاحی کے ترجمے نمایاں ہیں۔ نیز انہی آیات کے ترجمہ میں عبدالماجد دریابادی کی انفرادیت کو بھی نمایاں کیا ہے کہ موصوف نے **اقسم** اور **واللیل** کی واؤ قسمیہ کے حوالے سے لفظ قسم کا دو مرتبہ استعمال کیا ہے اور ایسا کرنا قرآن کے لفظی پہلو کی نمائندگی کے عین مطابق ہے۔ مطلب یہ کہ محقق نے اپنی تحقیق کو کسی ایک پلڑے میں مقید نہیں کیا بلکہ قرآن کی معنویت کو آشکارا کر کے اپنے نظریہ کے مطابق جس ترجمہ میں جس زاویہ سے حسن نظر آیا ہے اس حسن کو اجاگر کیا ہے مگر اسی نقطہ نظر سے دوسرے ترجمہ کو قلم کی زد میں لانے کے بجائے دوسرے زاویہ سے اس کی اہمیت و رفعت کو ممیز کیا ہے یعنی جو ترجمہ جس زاویہ و پہلو

سے منفرد تھا اسے اسی پہلو سے منفرد قرار دیا ہے۔

اسی طرح سورۃ المطففین کی آیت 28,27 کے آٹھوں تراجم نقل کرنے کے بعد محقق نے اپنے تجزیہ میں امین احسن اصلاحی اور مولانا ثناء اللہ امرتسری کے ترجموں میں یکسانیت کی نشاندہی کی ہے کہ ان دونوں نے لفظ "بھا" میں ب کو ظرف کے معنی میں لیا ہے جب کہ دیگر چھ مترجمین نے ب کا معنی "سے" لیا ہے۔ پھر بطور نتیجہ بتاتے ہیں کہ دونوں طرح کے ترجمے اگرچہ درست ہیں مگر یہ بات محقق ہے کہ ظرفیت کے لیے ب کا استعمال ازروئے قواعد عربیہ بہت معروف ہے۔ پھر جن مترجمین نے ب کا معنی "سے" لیا ہے ان پر امین احسن اصلاحی کے اعتراض کو مسترد کرتے ہوئے محقق نے واضح کیا ہے کہ ہمارے نزدیک صحت ترجمہ کی رو سے دونوں طرح کے تراجم درست ہیں یعنی محقق نے اگر دو تراجم میں موجود دوہرے حسن کو ترجیح دی ہے تو دیگر تراجم کے حسن صحت کا بھی اقرار کیا ہے، یہی ایک کھرے محقق کی شناخت ہے کہ وہ اپنا وزن کسی ایک پلڑے میں نہیں ڈالتا۔

سورۃ الانشقاق کی آیت 16 کے آٹھوں تراجم نقل کرنے کے بعد محقق نے اپنے مختصر مگر جامع تحقیقی تجزیہ کے پیش نظر یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنے ترجموں کا آغاز "پس نہیں" سے جو کیا ہے تو انہوں نے اس اسلوب میں بلاغت کا خیال رکھا یعنی ان دونوں ترجموں میں "فلا" کی معنویت وافادیت کا بھرپور عکس موجود ہے جب کہ دوسرے پہلو سے مولانا احمد رضا بریلوی، مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مولانا محمود الحسن دیوبندی کے تراجم میں لفظ "شفق" کا ترجمہ کرنے کی ایک نئی قدر مشترک کی نشاندہی کی گئی ہے یعنی ان تینوں حضرات کے قرآنی الفاظ کے مناسب الفاظ میں ترجمہ کرنے کو سراہا گیا ہے۔

سورۃ البروج کی آیات 4 تا 8 کے آٹھوں منتخب تراجم نقل کرنے کے بعد محقق نے کئی زاویوں سے خاص طور پر حرف "اذ" کے حوالے سے جامع تجزیہ کرنے کے بعد مولانا امین احسن اصلاحی کے ترجمہ کو باقی تراجم کے مقابلے میں قرآنی مدعا کے قریب تر قرار دیا ہے کیونکہ صرف

اصلاحی صاحب نے ہی مذکورہ آیات کا ترجمہ مستقبل کے اسلوب سے کیا ہے جو کہ قرآن کے مقصدی پہلو سے بھرپور نظر آتا ہے جب کہ دیگر مترجمین نے مذکورہ آیات کا ترجمہ ماضی میں کرکے اس واقعہ کو گذشتہ زمانے کا ایک حصہ بنادیا ہے۔

اسی طرح مذکورہ سورۃ البروج کی آیت 15 کے آٹھوں تراجم نقل کرنے کے بعد محقق نے لفظ "المجید" کا باعتبار لغت جائزہ لے کر "المجید" کو مشہور قرأت کے مطابق مرفوع ہونے کی بناء پر اوصاف الٰہی سے گردانا ہے۔ اس لحاظ سے عبدالماجد دریابادی، سید ابوالاعلیٰ مودودی، پیر محمد کرم شاہ ازہری، مولانا محمود الحسن دیوبندی اور مولانا ثناء اللہ امرتسری کے تراجم کو ازروئے قواعد وقرأت مشہورہ زیادہ مناسب قرار دیا ہے، کیونکہ "المجید" عرش کی صفت اس وقت ہوگا جب اسے مکسور پڑھا جائے، بصورت مرفوع یہ اوصاف الٰہی سے ہوگا، اس لیے مذکورہ پانچوں تراجم معروف قواعد کے عین مطابق ہیں۔

سورۂ فجر کی آیت 14 کے آٹھوں تراجم نقل کرنے کے بعد محقق نے ترجمہ میں استعمال کیے گئے الفاظ کا باعتبار ادب اور لفظ "مرصاد" کا باعتبار لغت جائزہ لے کر مولانا احمد رضا خان بریلوی کے ترجمہ کو ہمہ رنگ وہمہ جہت معنویت سے لبریز ترجمہ قرار دیا ہے۔

بعد ازاں پانچویں باب میں باعتبار لغت اور کچھ دیگر ضمنی پہلوؤں سے بھی ان منتخب اردو تراجم کا تقابلی جائزہ لیا گیا ہے۔ محقق نے حسب روایت سابقہ اپنے تجزیہ وتحقیق میں کچھ تراجم کی باعتبار قواعد لغت وادب' انفرادیت کو نمایاں کیا ہے مگر یہاں بھی دوسرے تراجم کے حسن سے آنکھیں نہیں موند لیں جیسا کہ سورۃ الاعلیٰ کی آیت 6 کے آٹھوں تراجم نقل کرکے پھر ان کا تقابلی تجزیہ کرکے لکھتے ہیں کہ سات مترجمین نے لفظ "سنقرئک" کا ترجمہ پڑھانے سے کیا ہے جو کہ قواعد عربیہ کی رو سے صحیح ہے کیونکہ اس میں حرف خطاب "ک" مفعول بہ ہے اور یہاں مفعول بھی ایک ہی بیان ہوا ہے، اس لیے اس کا ترجمہ پڑھانے سے کرنا بہتر ہے۔

پھر کہتے ہیں کہ مولانا سید مودودی کا ترجمہ پڑھوانے سے کرنا اگرچہ قواعد عربیہ کے

خلاف ہے لیکن اسے غلط اس لیے قرار نہیں دیا جا سکتا کہ عام تفاسیر کے مطابق حضور اکرم ﷺ کو بواسطہ جبرائیل امین علم دیا گیا ہے اور اس کی دلیل یہ آیت ہے "علمه شديد القوى" یہاں شدید القویٰ سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام کو لیا گیا ہے، اس لیے سید مودودی نے ترجمہ پڑھوانے سے کیا ہے جب کہ دیگر حضرات نے حسن بصری کتب کے تتبع میں شدید القوی کو اوصاف الٰہی میں شمار کیا ہے، اس لیے ترجمہ پڑھانے سے کیا ہے۔ علاوہ ازیں اپنے تجزیہ میں مزید کہتے ہیں کہ بقیہ ساتوں تراجم اگرچہ ازروئے قواعد بالکل صحیح ہیں لیکن ازروئے ادب پیر محمد کرم شاہ اور عبدالماجد دریابادی کے تراجم زیادہ موزوں و منفرد ہیں، کیونکہ ان دونوں حضرات نے حضور ﷺ کے لیے تو، تجھ، تجھے، تم، تمہیں جیسے الفاظ استعمال کرنے کے بجائے لفظ آپ استعمال کیا ہے، غرض کہ محقق نے یہاں بھی قرآن کی معنوی مقصدیت کو اجاگر کرنے والے تراجم کی تحسین کی ہے مگر کسی مترجم یا اس کے ترجمہ کی تغلیط و تحقیر نہیں کی ہے، اسے بالفاظ دیگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ محقق اپنے نقطہ نظر سے کہیں ہٹتا ہوا نظر نہیں آتا۔

سورۃ الفجر کی آیت 22 کے آٹھوں تراجم نقل کرنے کے بعد محقق نے بہت ہی جامع تجزیہ کیا ہے۔ اس باب میں چونکہ قرآن کی جامعیت کو واضح کرنے کے لیے اردو تراجم میں لغوی محاسن کا تقابلی جائزہ لیا گیا ہے، اس لیے الفاظ ترجمہ پر نظر عمیق سے توجہ ڈالی گئی ہے۔ چنانچہ محقق اپنے تجزیہ کے بعد بتاتے ہیں کہ مولانا ابو منصور، مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا عبدالماجد دریابادی اور مولانا محمود الحسن دیوبندی نے لفظ "جاء" کا ترجمہ رب کے آنے یا نمودار ہونے سے کیا ہے جب کہ مولانا ابو الاعلیٰ مودودی اور پیر محمد کرم شاہ ازہری نے "جاء" کا معنی رب کے جلوہ فرمانے سے کیا ہے، اگرچہ ظاہر الفاظ میں رب تعالیٰ کے آنے کا ذکر ہے مگر امر واقعہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ آنے جانے سے قطعاً پاک ہے البتہ اس کے جلوہ فرمانے میں کسی کو کلام نہیں اور اس کے شواہد قرآن میں موجود ہیں۔ اس حوالے سے مولانا سید مودودی اور مولانا پیر محمد کرم شاہ ازہری کے ترجموں میں لغوی معنویت ہے لیکن دوسرے پہلو سے کہ یہاں مضاف محذوف ہے اور

امام فخر الدین رازی نے اس آیت میں چار محذوف ذکر کیے ہیں جن میں سے لفظ "امر" کو اکثر مفسرین نے تقدیر آیت کے بطور بیان کیا ہے، لہٰذا مضاف محذوف لفظ "امر" کے پہلو سے مولانا احمد رضا خان بریلوی اور مولانا ثناء اللہ امرتسری نے جو ترجمہ کیا ہے وہ بالکل صحیح اور برمحل ہے اگر تیسرے یعنی ادب کے پہلو سے دیکھا جائے تو پیر محمد کرم شاہ ازہری اور عبدالماجد دریابادی کے ترجموں میں ادب و احترام کی رمق موجود ہے کہ ان دونوں حضرات نے حضور ﷺ کے لیے تیرا، تیرے، تمہارا، تمہارے کے بجائے لفظ آپ کا استعمال کیا ہے۔ مطلب یہ کہ محقق نے یہاں بھی ترجمہ یا مترجم کے بجائے قرآن کی جامعیت کو اجاگر کیا ہے۔

سورۃ البلد کی آیت ایک اور دو کے آٹھوں تراجم نقل کرنے کے بعد محقق نے پہلے تو "لا اقسم" کے حرف لا پر بحث کی ہے، پھر لا منفصل اور لا زائدہ کے معنی و مفہوم کا تقابلی تجزیہ پیش کر کے کہتے ہیں کہ اس پہلو سے کسی ایک ترجمہ کو راجح قرار دینا یقیناً امر دشوار ہے کیونکہ اگر قسم سے پہلے "لا" کا منفصل آنا عربی کا معروف اسلوب ہے تو اگر "لا" زائدہ نہ بھی ہو تو پھر بھی معنی وہی ہوں گے۔ نیز محقق نے یہ نشاندہی بھی کی ہے کہ سوائے مولانا امین احسن اصلاحی کے باقی جملہ مترجمین نے "وانت" کا مخاطب حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی کو قرار دیا ہے۔ اگرچہ مدعا میں کچھ فرق نہیں، لیکن امین احسن اصلاحی کے ترجمہ میں لفظ تم کا استعمال اچھا نہیں ہے۔ اسی طرح حضور ﷺ کے لیے جن مترجمین نے لفظ تم، تو، تجھ استعمال کیے ہیں ان کے مقابلے میں پیر محمد کرم شاہ ازہری اور مولانا عبدالماجد دریابادی کے ترجمے زیادہ بہتر ہیں کہ انہوں نے حضور ﷺ کے لیے لفظ آپ استعمال کیا ہے۔ مزید تجزیہ میں یہ بھی بتا دیا ہے کہ آیت نمبر 2 کے ترجموں میں مترجمین کافی حد تک الگ الگ ہیں لیکن کسی بھی ترجمہ کو غلط یا راجح قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ ہر ترجمہ قرآن کی بلاغت کے عین تتبع میں ہے۔

سورۃ الشمس کی آیات 5,6,7 کے جملہ منتخب تراجم نقل کر کے محقق نے اپنے تقابلی تجزیہ میں ایک نتیجہ تو یہ نکالا ہے کہ مولانا احمد رضا بریلوی، مولانا سید مودودی، مولانا ثناء اللہ

امرتسری ، مولانا ابو منصور ،مولانا عبدالماجد دریابادی اور پیر محمد کرم شاہ ازہری نے مذکورہ آیات کے ترجمے ماموصولہ کے اسلوب سے کیے ہیں جب کہ مولانا محمود الحسن دیوبندی اور مولانا امین احسن اصلاحی نے ما مصدریہ کے تحت ترجمہ کیے ہیں۔ علاوہ ازیں محقق نے ما مصدریہ، ما موصولہ، ما بمعنی الذی اور من پر تفصیلی غور وفکر کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ عربی لغت میں ''ما'' عام طور پر غیر ذوی العقول کے لیے آتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ پر اس کا اطلاق کسی طرح درست نہیں ہے، اس لحاظ سے ماموصولہ کے مقابلے میں ما مصدریہ کے اسلوب کے تحت کیے گئے ترجمے علماءِ تحقیق کی مطاوعت میں ہیں لہٰذا مولانا محمود الحسن دیوبندی اور مولانا اصلاحی کے ترجمے قرآن کی مقصدی معنویت کے عین مطابق ہیں بایں ہمہ مولانا محمود الحسن دیوبندی نے اگرچہ ''ما'' کو مصدریہ کے تحت اردو میں سمویا ہے مگر ترجمہ بطور قسم کے کیا ہے جب کہ مولانا اصلاحی نے دعوت فکر وتحقیق اور شہادت وگواہی کے پہلو سے ترجمہ کیا ہے لہٰذا اس حوالے سے امین احسن اصلاحی کے ترجمہ کا حسن نمایاں ہے۔

اسی سورۃ الشمس کی آیت ''فعقروھا'' کے تمام منتخب تراجم نقل کرکے محقق نے پہلے لفظ ''عقر'' کے معنی کو لغات القرآن کے حوالے سے مبرہن کیا ہے، پھر اسی حوالے سے بطور نتیجہ مولانا سید مودودی اور مولانا عبدالماجد دریابادی کے ترجموں کو بھرپور معنویت کا حامل قرار دیا ہے کیونکہ ان دونوں حضرات نے سادہ اور مختصر الفاظ میں قرآنی مفہوم کو اپنے کامل معنی میں منتقل کرنے کی کوشش کی ہے۔

سورۃ اللیل کی آیات 1,2,3 کے جملہ منتخب تراجم نقل کرکے محقق نے اپنے تجزیہ میں واضح کیا ہے کہ یہاں بھی مولانا محمود الحسن دیوبندی اور مولانا امین احسن اصلاحی نے ما مصدریہ کے تحت ترجمہ کیا ہے جب کہ دیگر مترجمین نے ماموصولہ کے اسلوب میں ترجمہ کیا ہے اگرچہ پیر محمد کرم شاہ ازہری نے تفسیر تو ما مصدریہ کے تحت کی ہے مگر ترجمہ ماموصولہ کے تحت کیا ہے۔ نیز لفظ قسم اور لفظ شاہد سے کیے گئے ترجموں میں مولانا اصلاحی کے ترجمہ کو اہمیت دی جائے گی گویا

ڈاکٹر شکیل اوج کی علمی و دینی خدمات

محقق نے یہاں مولانا محمود الحسن دیوبندی اور مولانا امین احسن اصلاحی کے ترجموں کو بہتر قرار دیا ہے۔ پھر شہادت وگواہی کے الفاظ سے کیئے گئے ترجمہ کے حوالے سے مولانا اصلاحی کے ترجمہ کو بہتر اور وزن دار تسلیم کیا گیا ہے۔

اسی سورۃ اللیل کی آیت 19 کے آٹھوں تراجم نقل کرکے محقق نے اپنے تفصیلی اور جامع تجزیہ میں پہلے تو یہ تسلیم کیا ہے کہ مذکورہ اسلوب کے تحت کیے گئے کسی بھی ترجمہ کو مرجوح قرار نہیں دیا جا سکتا۔ پھر اس اسلوب ترجمہ پر خود ہی ایک اعتراض قائم کرکے بطور نتیجہ بتاتے ہیں کہ امین احسن اصلاحی کا ترجمہ نہ صرف بہتر ہے بلکہ اس میں مقصود قرآن بھی نمایاں ہے۔ نیز محقق اپنے تجزیہ کے بعد بطور نتیجہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے ''عندہ'' کی ''ہٗ'' ضمیر کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا ہے اور اسی کے تحت ترجمہ کیا ہے جب کہ دیگر مترجمین نے ہٗ ضمیر کا مرجع ''اتقی'' کو بنایا ہے اور اسی کے تحت ترجمہ کیا ہے۔ مولانا امرتسری کا ترجمہ اگرچہ درست ہے لیکن اتنا جامع نہیں ہے کیونکہ قرینہ یہ بتا رہا ہے کہ یہاں ہٗ ضمیر انسانوں کی طرف راجع ہے جیسا کہ امین احسن اصلاحی نے کی ہے لہٰذا محقق کے نزدیک معنویت اور مقصدیت سے بھرپور ترجمہ امین احسن اصلاحی کا ہے۔

بعدازاں سورۃ الضحیٰ کی ابتدائی تینوں آیات کے جملہ منتخب تراجم نقل کرکے محقق نے اپنے تجزیہ میں پہلے تو واؤ قسمیہ پر بحث کی ہے اور اس بحث میں ایک پہلو سے یہ بتایا ہے کہ واؤ قسمیہ کا ترجمہ قسم سے بھی صحیح ہے اور لفظ شاہد سے بھی صحیح ہے مگر جو دعوت فکر وتحقیق اور مضمون میں زور لفظ شہادت سے پیدا ہوتا ہے وہ لفظ قسم سے ترجمہ کرنے میں ظاہر نہیں ہوتا۔ پھر لفظ قسم کا معنی باعتبار لغت دلیل وشہادت ثابت کرکے محقق نے خیال ظاہر کیا ہے کہ واؤ قسمیہ کا مضمون اردو کے ترجمہ میں لفظ شاہد سے ادا کرنا انتہائی بلیغ ہے، اس لحاظ سے مولانا امین احسن اصلاحی کا ترجمہ قرآن کے مقصدی پہلو کو اجاگر کرتا ہے ...... اسی طرح تیسری آیت کے لفظ ''وَدَّعَکَ'' کے ترجمہ میں استعمال کیے گئے اردو الفاظ کا جائزہ لے کر بتاتے ہیں کہ دست بردار ہونے،

رخصت کرنے، چھوڑنے اور وداع کرنے جیسے الفاظ اس لفظ ودعک کے تحت بالفظ معنی میں باعتبار لغت استعمال ہو سکتے ہیں مگر مولانا ابومنصور کے الفاظ ''دست بردار ہونے'' زیادہ قرین ادب دکھائی دیتے ہیں...... اسی طرح لفظ ''قلی'' کے جو معنی ''ناراض ہونے، بیزار ہونے، خفا ہونے اور مکروہ جاننے سے کیے گئے ہیں ان میں خفا ہونے اور ناراض ہونے کے مقابلہ میں بیزار ہونے اور مکروہ جاننے کے الفاظ ہماری اردو زبان میں بہت ہی برے اور قبیح جانے جاتے ہیں، پھر بیزار ہونے کے مقابلے میں مکروہ جاننے کو زیادہ سنگین اور سخت سمجھا جاتا ہے، لہٰذا حضور ﷺ سے اس لفظ کی نسبت غیر مناسب ہے۔ مزید یہ کہ ہماری زبان میں لفظ ''آپ'' کا استعمال قرین ادب ہے۔ اس پہلو سے مولانا عبدالماجد دریا بادی اور پیر محمد کرم شاہ کے ترجمے زیادہ بہتر ہیں کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے لیے لفظ آپ استعمال کیا ہے۔

سورۃ التین کی آیت نمبر 5 کے تحت تمام منتخب تراجم نقل کرکے محقق نے سب سے پہلے تو لفظ ''اسفل'' اور ''رددناہ'' کا نحوی جائزہ لیا ہے اور اس میں بتایا ہے کہ نحوی اعتبار سے امین احسن اصلاحی کا ترجمہ معارف سے پُر ہے۔ جس میں مقتضائے قرآن کو ملحوظ رکھ کر فتنۂ جبر وقدر کی جڑ بنیاد سے ہی کاٹ دی ہے۔ بعد ازاں محقق نے 'رددناہ' کے مختلف مفاہیم کے لیے مختلف آیات سے شہادتیں پیش کرکے جملہ کی ترکیب کا تفصیلی تجزیہ کرنے کے بعد بتایا ہے کہ مضاف، مضاف الیہ کی ترکیب یہاں خلافِ عربیت ہے کیونکہ جب افعل کی اضافت نکرہ کی طرف ہو تو ضروری ہے کہ مضاف الیہ واحد ہو۔ یہاں "اسفل" چاہے ظرف ہو یا حال ہو، لیکن سافلین بھی ایک مستقل حال ہے، اس لیے سافلین جمع ہونے کے باوجود نکرہ آیا ہے...... اسی طرح 'رددناہ' میں ضمیر تو واحد ہے مگر حال کو بلحاظ معنی جمع لائے ہیں کیونکہ آیت میں انسان سے مراد نوعِ انسان ہے۔ اس طرح محقق نے اس آیت کے حوالے سے امین احسن اصلاحی کے ترجمہ کی تحسین کی ہے۔

سورۃ البینہ کی آیت 1 کے آٹھوں تراجم نقل کرنے کے بعد محقق اپنے تفصیلی تجزیہ کے

بعد بتاتے ہیں کہ مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا سید مودودی، پیر محمد کرم شاہ ازہری، مولانا ثناء اللہ امرتسری، عبدالماجد دریابادی اور مولانا ابومنصور نے ''من اھل الکتاب'' کا ترجمہ من تبعیضیہ سے کیا ہے جبکہ مولانا احمد رضا بریلوی اور مولانا محمود الحسن دیوبندی نے اس کا ترجمہ من بیانیہ سے کیا ہے، پھر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مولانا سید مودودی اس آیت کی تفسیر تو من بیانیہ سے کرتے ہیں مگر ترجمہ اس کے خلاف من تبعیضیہ سے کرتے ہیں یعنی ان کا ترجمہ خود ان کی تفسیر کے خلاف ہے۔ علاوہ ازیں محقق اپنے تجزیہ میں مزید بتاتے ہیں کہ یہاں اگرچہ من تبعیضیہ اور من بیانیہ دونوں کی گنجائش ہے مگر لغات القرآن کے تتبع میں محقق کے نزدیک من تبعیضیہ کے اسلوب سے کیے گئے ترجمے زیادہ قریب صواب ہے۔

اسی طرح سورۃ العٰدیٰت کی آخری آیت کے جملہ تراجم نقل کرکے محقق اپنے تجزیہ میں واضح کرتے ہیں کہ مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا سید مودودی، پیر محمد کرم شاہ ازہری، مولانا ثناء اللہ امرتسری، عبدالماجد دریابادی اور مولانا ابومنصور نے آیت مذکورہ کا ترجمہ زمانہ مستقبل کے اسلوب سے کیا ہے، جس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو شاید قیامت کے روز ہی اپنے بندوں کے حال سے آگاہی ہوگی۔ ان کے مقابلے میں مولانا محمود الحسن دیوبندی اور مولانا احمد رضا بریلوی کا ترجمہ زمانہ حال کے اسلوب کے تحت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آج بھی اپنے بندوں کے احوال سے مکمل واقف ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔ اس لحاظ سے زمانہ مستقبل کے اسلوب سے کیے گئے ترجمہ کے مقابلے میں محمود الحسن اور مولانا احمد رضا کے ترجمے راجح اور عقیدۂ اسلامی کے عین مطابق ہیں۔

بعد ازاں پچھلے باب میں مذکورہ جملہ منتخب تراجم کا بلحاظ ادبیت تقابلی جائزہ لیا گیا ہے کہ کون سا ترجمہ اردو زبان کی موزونیت، شائستگی و شستگی اور فصاحت کا مرقع ہونے کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کی روح اور مقصدیت کا آئینہ دار ہے۔ نیز محقق کو اگر تجزیہ میں کسی اور پہلو سے کوئی ترجمہ منفرد نظر آیا ہے یا اس میں کوئی ندرت سامنے آئی ہے تو ایسے پہلوؤں کو متفرقات کا نام

دیا ہے۔ محقق نے اگرچہ تراجم کا متعدد ذیلی پہلوؤں سے جائزہ لیا ہے لیکن طرز استدلال اور اسلوب بیان وہی برقرار رکھا ہے جو گذشتہ پانچ ابواب میں اختیار کیا ہے، مگر سابقہ ابواب کے مقابلے میں اس باب میں زیادہ تفصیل، تعمق اور تفحص سے کام لیا گیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ الضحیٰ کی آیت 7 ''ووجدک ضالا فھدی'' کے آٹھوں تراجم نقل کرکے محقق سب سے پہلے آیت مذکورہ کے سیاق وسباق کے پہلو سے اس کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ اس آیت میں لفظ ''فھدی'' کا حق بطور نعت کے اس وقت ادا ہو سکتا ہے، جب ''ضالا'' کا معنی ایسا کیا جائے جس میں حضور ﷺ کی کسی ضرورت یا طلب کا اظہار ہو۔ مذکورہ جملہ منتخب مترجمین نے ''ضالا'' کا معنی اپنی اپنی پسند اور ذوق کے مطابق کیا ہے اور محقق کے خیال میں سیاق کلام کے تقاضا کے مطابق ان سب مترجمین کا مقصود بھی یہی ہے کہ ''فھدی'' کو بطور ازدیادِ نعت کے لیا جائے۔ اس کے باوجود بعض مترجمین نے اپنے ترجمہ میں نامناسب الفاظ استعمال کیے ہیں جیسے بھٹکتا اور بھٹکا ہوا۔ ایسے الفاظ کی حضور اکرم ﷺ کی طرف نسبت کرنا قطعاً ناجائز اور مقامِ ادب کے خلاف ہے۔ اسی طرح ناواقف راہ اور بے خبر جیسے الفاظ بھی حضور علیہ السلام کے شایان شان نہیں ہیں البتہ ''ضالا'' کا معنی جویائے راہ کرنے میں سیاق کلام کا تقاضا بھی پورا ہو گیا ہے اور اس میں حضور اکرم ﷺ کی تڑپ اور بے قراری کا اظہار بھی ہویدا ہو گیا ہے۔ اس معنی سے ''فھدی'' کا صحیح محل ''جویائے راہ'' سے ہی سمجھ میں آسکتا ہے اور یہ ترجمہ امین احسن اصلاحی کا ہے۔

اسی مذکورہ آیت کے ضمن میں ایک اور ترجمہ کا تجزیہ کرتے ہوئے محقق اپنے زاویہ فکر کا اظہار یوں کرتے ہیں کہ مترجم نے اپنے ترجمہ میں دو مرتبہ لفظ اپنی استعمال کیا ہے اگر پہلی ''اپنی'' سے مراد حضور اکرم ﷺ کی اپنی ذات ہو اور دوسری اپنی سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہو تو پھر مفہوم یہ ہو گا کہ حضور اکرم ﷺ اعلان نبوت سے پہلے اپنی محبت میں کھوئے ہوئے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ اس تاویل کی روشنی میں آیت اپنے سیاق میں تو صحیح ہو گی مگر

معنوی حسن وکمال سے خالی ہو جائے گی اور اگر دونوں ''اپنی'' سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات کو لیا جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کا حضور اکرم ﷺ کو اپنی محبت میں وارفتہ پا کر اپنی طرف راہ دینا تحصیل حاصل ہے اور یہ ازدیادِ نعت ہرگز نہیں ہو سکتی جب کہ آیت کا مضمون ازدیادِ نعت کا متقاضی ہے، یہ ترجمہ مولانا احمد رضا خان بریلوی کا ہے۔

اسی طرح پیر محمد کرم شاہ نے لفظ ''ضالا'' کا معنی تو ویسا ہی کیا ہے جیسا مولانا احمد رضا بریلوی نے کیا ہے جب کہ ''فھدی'' کا ترجمہ پیر صاحب نے ''تو منزل مقصود تک پہنچا دیا'' کرکے قرآن کی معنویت ومقصدیت کی مطاوعت کی ہے۔ اس طرح پیر محمد کرم شاہ کا ترجمہ بہت ہی اعلیٰ اور حضور اکرم ﷺ کے شایان شان ہے۔ نیز محقق نے اپنے جائزہ میں یہ بھی نشاندہی کی ہے کہ مولانا امین احسن اصلاحی اور مولانا ابو منصور نے استفہامیہ اسلوب پر ترجمے کیے ہیں جب کہ دیگر مترجمین نے بیانیہ اسلوب پر ترجمے کیے ہیں۔ اس حوالے سے محقق نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ترجمے وہی اچھے ہیں جو استفہامیہ اسلوب پر کیے گئے ہیں۔

سورۂ الم نشرح کی ابتدائی چار آیتوں کے جملہ منتخب تراجم نقل کرکے محقق نے مختلف زاویوں سے ان کا جامع اور تفصیلی تجزیہ کرکے اپنی رائے اس طرح ظاہر کی ہے کہ مولانا ابو منصور اور مولانا امین احسن اصلاحی نے ''ووضعنا'' اور ''ورفعنا'' کو آیت نمبر1 پر عطف کرکے استفہامیہ نگاری کے اسلوب پر ترجمے کیے ہیں جب کہ دیگر مترجمین نے خبریہ اسلوب کے تحت ترجمہ کیا ہے اور یہ بات مسلّم ہے کہ انشائیہ اسلوب سے ترجمہ کرنے میں کلام کا اصل زور واضح ہو جاتا ہے۔ دوم یہ کہ مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا سید مودودی اور پیر محمد کرم شاہ نے پہلی اور چوتھی آیت میں موجود لفظ ''لک'' کا معنی اپنے ترجموں میں سمو کر کاملیت کا رنگ بھر دیا ہے۔ جب کہ مولانا ابو منصور اور مولانا احمد رضا بریلوی نے فقط آیت نمبر4 میں موجود ''لک'' کا معنی کیا ہے یعنی ان دونوں کے ہاں یہ رنگ جزوی ہے۔ سوم یہ کہ مترجمین ''انقض ظھرک'' کا ترجمہ جو (کمر یا پیٹھ توڑنے سے) کیا ہے، وہ محقق کے نزدیک حضور اکرم ﷺ کے شایان

شان نہیں ہے، البتہ اس آیت نمبر 3 کا جو ترجمہ پیر محمد کرم شاہ نے کیا ہے وہ حضور اکرم ﷺ اور زبان دونوں کے ادب سے لبریز اور سرشار ترجمہ ہے۔ نیز پیر محمد کرم شاہ اور عبدالماجد دریابادی نے اپنے ترجموں میں حضور اکرم ﷺ کے لیے تمہارا، تمہارے، تیرا، تیرے کے بجائے لفظ آپ استعمال کیا ہے، خلاصہ یہ کہ خبریہ اسلوب پر کیے گئے ترجموں میں پیر محمد کرم شاہ کا ترجمہ سب سے اعلیٰ ہے، جب کہ انشائیہ اسلوب کے تحت مولانا ابو منصور کا ترجمہ مولانا امین احسن اصلاحی کے ترجمہ سے زیادہ جامع ہے۔

سورۃ التکاثر کی آیت 5 تا 7 کے جملہ تراجم نقل کرکے محقق نحوی طور پر جائزہ لے کر بیان کرتے ہیں، تالیفِ کلام پر غور و تفحص کرنے سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ آیت نمبر 5 میں حرف ''لو'' کا جواب محذوف ہے، جسے مولانا احمد رضا خان بریلوی، مولانا سید مودودی، مولانا ثناء اللہ امرتسری اور پیر محمد کرم شاہ ازہری نے اپنے اپنے طریقہ و انداز سے اس محذوف کو اپنے تراجم میں کھولا ہے، جب کہ مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا محمود الحسن دیوبندی اور مولانا ابو منصور نے ''لو'' کے محذوف جواب کا ذکر کیے بغیر ترجمہ کیا ہے۔ پھر ان مؤخر الذکر میں سے مولانا عبدالماجد دریابادی اور مولانا محمود الحسن دیوبندی نے ''لترون الجحیم'' سے اپنے ترجمہ کو پھر سے شروع کیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں حضرات مذکورۃ الصدر چاروں حضرات کی طرح ''لترون الجحیم'' اور آیات مابعد کو ''لو'' کے تحت نہیں مانتے جب کہ امین احسن اصلاحی اور ابو منصور نے ان آیات کو ''لو'' کے تحت مانتے ہوئے ترجمہ کیا ہے بلکہ امین احسن اصلاحی نے تو اپنی تفسیر میں اس طرف واضح اشارہ بھی دیا ہے بایں ہمہ ابو منصور کے ترجمہ سے یہ دعویٰ اخذ ہوتا ہے کہ عین الیقین اس دنیا میں بھی حاصل ہوتا ہے جب کہ امین احسن اصلاحی کے نزدیک عین الیقین کا تعلق عالم آخرت سے ہے یہاں صرف علم الیقین حاصل ہوتا ہے۔ محقق نے مزید شواہد پیش کرکے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اگرچہ ابو منصور کے ترجمہ کی اہمیت اور زور سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی، لیکن امین احسن اصلاحی کے ترجمہ میں بھرپور معنویت

کے باعث اسے راجح قرار دیا جا سکتا ہے۔

سورۃ الفیل کی آیت 4 کے آٹھوں منتخب تراجم نقل کرنے کے بعد محقق نے انتہائی گہری نظر سے ان کا تقابلی جائزہ لیا ہے اور ''بحجارۃ من سجیل'' کے ترجمہ میں مترجمین نے جو مختلف الفاظ استعمال کیے ہیں ان کو الگ سے نقل کرکے پرکھا ہے پھر از خود لفظ سجیل کے از روئے لغت معانی اور تفصیلی تحقیق سپردِ قلم کرکے اپنی رائے اس طرح پیش کی ہے کہ سوائے مولانا امین احسن اصلاحی کے باقی جملہ مترجمین کے تراجم میں کنکر اور پتھر کے لفظی فرق کے باوجود ایک قدرِ مشترک موجود ہے یعنی سب نے ''ترمی'' کا فاعل پرندوں کو قرار دیا ہے۔ جب کہ اصلاحی صاحب نے ''ترمی'' کا فاعل انسانوں کو قرار دے کر صیغہ مخاطب / حاضر میں ترجمہ کیا ہے اور یہ ترجمہ انہوں نے فراہی کے تتبع میں کیا ہے۔ آخر میں محقق بطور نتیجہ ان حضرات کے ترجمہ کو زیادہ قرینِ صواب قرار دیتے ہیں جنہوں نے پتھر اور کنکر سے ترجمہ کیا ہے۔

سورۂ قریش کی آیت ۱،۲ کے جملہ تراجم تحریر کرکے محقق نے پہلے تو لغت اور گرامر سے تفصیلی تجزیہ کیا ہے اور پہلا نتیجہ یہ نکالا ہے کہ ''لایلٰف'' میں جو پہلا لام ہے وہ عربی محاورہ کے مطابق تعجب کے لیے ہے، یہی قول امام اخفش، امام کسائی اور امام فراء کا ہے اور ابن جریر نے بھی اسی کو راجح کہا ہے۔ چنانچہ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے تینوں ائمہ نحو کی پیروی میں اسی محاورہ کے مطابق ترجمہ کیا ہے جب کہ دیگر ساتوں مترجمین نے اس لام کو لامِ تعلیل سمجھ کر ترجمہ کیا ہے اور دوسرے ایلاف کو پہلے ایلاف سے بطور بدل لیتے ہوئے جار مجرور ''فلیعبدوا'' کے جملہ سے سمجھا ہے۔ اس طرح محقق کی رائے کے مطابق لامِ تعلیل کے تحت جو ترجمے کیے گئے ہیں وہ درست ہیں لیکن ان سات ترجموں میں بھی مسلسل مربوط اور کامل فہم عطاء کرنے والا ترجمہ ابو منصور کا ہے۔

سورۃ الماعون کی آیت 5 کے آٹھوں تراجم نقل کرنے کے بعد محقق نے نظرِ عمیق سے تقابلی جائزہ لینے کے بعد یہ ثابت کیا ہے کہ سوائے ابو منصور کے باقی جملہ مترجمین کے تراجم ایک

ہی مضمون یعنی نماز کے ظاہر پر مشتمل ہیں جب کہ ابو منصور کا ترجمہ آیت کے مفہوم پر دلالت کرتا ہے یعنی نماز کے مقتضائے حقیقی کو ظاہر کرتا ہے۔ اسی باعث یہ ترجمہ باقی تراجم کے مقابلے میں جاذب توجہ ہے اور اگر آیت نمبر 6 کو اس آیت سے ملا کر پڑھا جائے تو پھر یہ آیت، آیت 5 کو اس طرح مؤکد کرتی ہے کہ اس کا مضمون مزید قابل توجہ ہو جاتا ہے۔ نیز سیاق کلام میں جو محذوف مترشح ہے اسے بھی ابو منصور نے اپنے ترجمہ میں وا کر دیا ہے۔ مزید براں ابو منصور کے ترجمہ کی تائید ہمیں امین احسن اصلاحی کی تفسیر سے بھی ملتی ہے، گویا محقق نے اس مقام پر ابو منصور کے ترجمہ کو راجح قرار دیا ہے۔

سورۃ اللھب کی پہلی آیت کے آٹھوں منتخب تراجم نقل کر کے محقق نے تفصیلی جائزہ لے کر قرار دیا ہے کہ مولانا احمد رضا خان بریلوی، پیر محمد کرم شاہ ازہری، مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مولانا ابو منصور کے ترجموں میں کوسنے اور بددعا دینے کا مفہوم ملتا ہے جب کہ مولانا محمود الحسن دیوبندی، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا سید مودودی اور مولانا اصلاحی کے ترجموں میں کسی امر کے واقع / مکمل ہوجانے کا پتہ چلتا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ سورۃ اللھب بطور پیش گوئی کے نازل ہوئی تھی جیسا کہ سید مودودی، پیر محمد کرم شاہ ازہری، امین احسن اصلاحی اور عبدالماجد دریابادی نے اپنی اپنی تفاسیر میں اس سورۃ کے بطور پیش گوئی نزول کی تائید کی ہے مگر ان کے تراجم ان کی تفاسیر کے برعکس ہیں۔ چنانچہ محقق اپنی تحقیق کے مطابق رائے دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس آیت میں چونکہ نفس مضمون پیش گوئی پر مشتمل ہے، لہٰذا آسان زبان واسلوب میں اس آیت کا ترجمہ یوں کیا جاتا (ابولہب کے ہاتھ ٹوٹیں گے اور وہ خود بھی مرے گا)۔

محقق نے اپنے مقالہ کے اختتامیہ میں طریق استدلال کے علاوہ بھی بہت کچھ لکھا ہے مگر میں اپنی پسند کے صرف دو پیراگراف من وعن نقل کر رہا ہوں جو کہ درج ذیل ہیں:

(۱) علاوہ ازیں اس طرز تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں مکتبی ومسلکی تعصب ٹھیک نہیں کیونکہ حق ان تمام ہی کے درمیان دائر وسائر ہے، چنانچہ مسلمانوں کو چاہیے کہ

وہ جس مکتب ومسلک کو بھی اختیار کریں یا جس مترجم کو بھی پسند کریں، اسے فہم قرآنی کا فقط ایک ذریعہ قرار دیں، حرف آخر یا عین حق وصواب نہ سمجھیں۔

(۲) چنانچہ اس مقالہ میں ہم نے ثابت کیا ہے کہ فہم قرآنی کیلیے کسی ایک ترجمہ کو کافی قرار نہیں دیا جا سکتا اور یہ کہ قرآن کا بہتر سے بہتر اور جامع وکامل ترجمہ کرنے کی کوششیں جاری رہنی چاہئیں تا کہ کلامِ الٰہی سے اخذ واستفادہ کرنے والے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ ہدایت ومعرفت حاصل کر سکیں۔

بہر حال یہ مقالہ اعلیٰ قسم کے کاغذ پر طبع ہوا ہے اور انتہائی خوبصورت ٹائٹل سے مزین ہے جو کہ ناشر کے حسن ذوق کا آئینہ دار ہے۔ قرآن فہمی کا ذوق رکھنے والے قارئین کو اس مقالے کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔

اصولِ حدیث وتاریخ حدیث

حدیث کے حوالے سے ڈاکٹرصاحب چند افراد کے غلط فہمی پرمبنی خیالات کی زد میں ہیں، احادیث مبارکہ سے حسب ضرورت استدلال کرنے کے باعث بعض حلقوں کی جانب سے تو یہ الزام بھی عائد کیا گیا کہ ڈاکٹر صاحب شاید حدیث سے استدلال کے قائل نہیں ہیں، اگرچہ یہ کتاب ہی ان حضرات کے ازالہ کیلئے کافی ہے پھربھی حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹرصاحب احادیث سے استدلال کرتے ہیں اور کئی مضامین میں موصوف نے ایسا کیاہے، اصل بات یہ ہے کہ حجیت حدیث کیلئے ڈاکٹرصاحب امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے مقلد ہیں، یعنی صحت حدیث کے لئے جوشرائط امام ابوحنیفہ نے متعین فرمائی ہیں، اُن شرائط پر مکمل اترنے والی ہر حدیث کو ڈاکٹرصاحب تسلیم کرتے ہیں، علاوہ ازیں ایسی احادیث بھی جوقرآنی آیات کی مفسر ہوں یا آیات کے موافق ہوں یا احکام وعبادات سے متعلق ہوں، ایسی احادیث مبارکہ کو نہ صرف تسلیم کرتے ہیں بلکہ انہیں اپنے مؤقف کی تائید میں ضبط تحریر میں لاکر اُن سے استدلال بھی کرتے ہیں، اس روایت میں آپ منفرد وتنہا نہیں ہیں، کتب عقائد وفقہ اور کتب فتاویٰ جات کا مطالعہ کرکے دیکھ لیجئے، احادیث سے وہاں استدلال کیا گیا جہاں قرآن سے مسائل کا استنباط مشکل نظر آیا۔

علاوہ ازیں یہ بھی کہ اگر ایک حضرت' جس حدیث کوصحیح اور اس کی سند کو ثقہ ثابت کرکے اپنے لئے دلیل بناتے ہیں تو دوسرے حضرت اُسی حدیث کی سند پرکتب اسماء الرجال کی مدد سے جرح کرکے اُس حدیث میں نہ صرف ضعف ثابت کرتے ہیں بلکہ اس کے مقابلے میں اُسی موضوع پر دوسری حدیث لے آتے ہیں، بسااوقات توطرفہ تماشا یہ ہوتا ہے کہ ایک ہی حضرت کسی ایک مسئلے میں، جس حدیث کی صحت وثقاہت پر پورا علمی زور صرف کردیتے ہیں، وہی حضرت

کسی دوسرے مسئلے میں اُسی حدیث کی سند پر کلام کر کے اس میں ضعف تلاش کر رہے ہوتے ہیں، یہاں تک کہ متفق علیہ احادیث بھی اس زد سے محفوظ نہیں ہیں، یہ سب کچھ اس لئے ہو رہا ہے کہ خاص طور پر احناف کہلانے والوں نے صحت حدیث کیلئے امام ابوحنیفہ کی شرائط سے بے اعتنائی برتی ہے جبکہ ڈاکٹر صاحب ایسی تمام احادیث سے استدلال کرتے ہیں جو امام اعظم ابوحنیفہ کی شرائط کے مطابق ہوتی ہیں، کیونکہ ابوحنیفہ کی شرائط اعلیٰ کسوٹی ہیں، خود امام ابوحنیفہ نے اصحاب الرائے ہونے کی پھبتی برداشت کی تھی مگر اپنی شرائط پر قائم رہے، اسی لئے ڈاکٹر صاحب کی تحریروں میں بھی احادیث سے کم ہی استدلال ملتا ہے، جبکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا منتہائے مقصود قرآن مجید ہے اس لئے وہ جملہ مسائل ومعاملات میں قرآن سے ہی رہنمائی لیتے ہیں، قرآن مجید ان کی ہر ضرورت کو پورا کر دیتا ہے تو انہیں کسی اور علم وفن کی احتیاج نہیں رہتی، بایں ہمہ بہت سے مضامین ومقالات میں انہوں نے احادیث شریفہ اور کتب فقہ وفتاویٰ جات سے بھی استدلال کرتے ہوئے مسائل کا استنباط کیا ہے، اگرچہ ان کے قارئین ان کی اس خوبی سے بخوبی آگاہ ہیں، پھر بھی سنی سنائی پر آوازہ اختلاف بلند کرنے والوں کیلئے چند ایک حوالے درج کئے دیتا ہوں۔

مقالہ: ایڈز۔ قرآن کی روشنی میں، صحیح مسلم کی دو حدیثوں سے استدلال کیا ہے۔

مضمون: کم سنی کی شادی۔ میں صحیح مسلم و بخاری کے حوالے موجود ہیں۔

مقالہ: پسند کی شادی۔ ایک سماجی ضرورت، میں مسلم شریف کی تین، مصنف ابن ابی شیبہ سے بھی تین، بخاری سے ایک اور ڈاکٹر حمید اللہ کی کتاب، محمد رسول اللہ'' کے حوالے سے بھی ایک حدیث یعنی آٹھ حدیثوں سے استدلال کیا ہے۔

مضمون: جہیز ایک معاشرتی بوجھ'' میں سنن نسائی کی دو، ابن ماجہ کی ایک حدیث درج کی ہے۔

مضمون: تعدد ازدواج کے قرآنی دلائل'' میں جامع ترمذی، ابن ماجہ، ابوداؤد کی ایک ایک حدیث کے علاوہ ایک حدیث کا بغیر حوالہ کے بریکٹ میں ترجمہ نقل کیا ہے۔

مضمون: مذہبی اجتماعات میں خواتین کی شرکت، میں مسلم شریف کی ۲، بخاری اور مسند بزاز سے ایک ایک حدیث نقل کی گئی ہے۔

مضمون: چاند گرہن، میں سنن نسائی سے چار حدیثیں نقل کی ہیں۔

مقالہ: سیرت طیبہ کی روشنی میں ایک روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرے کی تشکیل وضرورت میں بیہقی سے ''بحوالہ طبری'' ایک ''مسند احمد''، ''نسائی''، ''ابن ماجہ'' سے ایک ایک ''بخاری'' سے دو اور بحوالہ نیل الاوطار طبرانی کی ایک حدیث سے استدلال کیا ہے۔

مقالہ: مسلم اور غیر مسلم افراد وحکومتوں کے مابین تعلقات میں مسلم و بخاری سے ایک ایک حدیث کے علاوہ سیرت رسول سے استدلال کیا گیا ہے جنہیں حدیث فعلی کہا جاتا ہے۔

مضمون: نیل پالش کے ساتھ وضو کے جواز کا مسئلہ میں ابن ماجہ سے ایک ترمذی سے دو، صحیح مسلم سے چار، ابوداؤد سے چار، نسائی سے دو، شرح مشکوٰۃ سے ایک، مسند احمد سے دو اور بحوالہ مشکوٰۃ مسند دارمی سے دو حدیثیں نقل کی گئی ہیں۔

مضمون: کیا چاند گرہن ایک منحوس گھڑی ہے؟ میں حضرت ابن عباس، حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ، حضرت ابوموسیٰ علیہم الرضوان سے مروی تین متفق علیہ احادیث کے علاوہ نسائی کی ایک حدیث سے بھی استدلال کیا ہے۔

مقالہ: حق حضانت، ایک قانونی ومعاشرتی مسئلہ، سنن ابی داؤد سے دو، بیہقی سے دو، مصنف ابن ابی شیبہ سے، مسند عبدالرزاق، مؤطا امام مالک اور سنن نسائی سے ایک ایک حدیث سے یعنی ۸ حدیثوں سے استدلال کیا گیا ہے۔

مقالہ: ''تصوف'' تلاش احسن کی ہمہ گیر تحریک'' میں مشکوٰۃ سے ایک اور کتاب، ابوالفیض قلندر علی سہروردی، سے ماخوذ ایک حدیث نقل کی ہے۔

مقالہ: عورتوں کا کھلے چہروں کے ساتھ احج، میں بخاری سے ایک، مسلم شریف سے ایک، بحوالہ روح المعانی ابوداؤد سے ایک اور بحوالہ ابن جریر بھی ایک حدیث نقل کی گئی ہے،

مقالہ: حج اکبر کا معنیٰ و مفہوم" میں بخاری سے ایک جبکہ روح المعانی سے ماخوذ دو حدیثیں نقل کی ہیں۔

مضمون: خلع اور فسخ نکاح میں عدالت کا کردار" میں صحیح بخاری سے دو احادیث لی گئی ہیں۔

مقالہ: حقیقت ربا اور اس کی اطلاقی نوعیت" میں مؤطا امام مالک سے ایک، بحوالہ شرح بخاری سے ایک حدیث لی گئی ہے۔

مقالہ: حلالہ مروجہ اور قرآنی حلالہ میں فرق" میں ابن ماجہ، حاکم، مسند عبدالرزاق سے ایک ایک، بیہقی سے دو جبکہ بحوالہ روح المعانی بھی ایک حدیث سے استدلال کیا گیا ہے۔

الغرض ڈاکٹر صاحب کے استدلال واستنباط کی منہاج اصلی تو قرآن مجید ہی ہے، اسی لئے حدیث وفقہ سے کم ہی استدلال کرتے ہیں، بایں ہمہ مذکورہ ڈیڑھ درجن مضامین ومقالات میں ۹۵ حدیثوں سے استدلال کیا گیا ہے، اگر حدیثوں کو جملہ مضامین میں تلاش کیا جائے تو یہ تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہوگی اسی طرح کتب فقہ میں نیل الاوطار، معانی الآثار، المغنی، فتح القدیر، ردالمحتار، درمختار، ہدایہ مع الدرایہ، کنزالدقائق، ہدایۃ المجتہد، کشف الغمہ، زادالمنیر، مختصرالقدوری وغیرہ جیسی اجلہ کتب فقہ کے حوالہ جات سے ان کی تحریریں مزین ہیں، مگر بات وہی ہے کہ احادیث وفقہ سے حسب ضرورت ہی استفادہ کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک قرآن مجید اُن کی ہرضرورت کی تکمیل کرتا ہے۔

بہرحال آمدم برسر مطلب، ڈاکٹر صاحب کی یہ تصنیف لطیف "اصول حدیث وتاریخ حدیث" باریک خط میں ۲۲۸ صفحات پر محیط ہے جس کا جدید ایڈیشن میرے سامنے ہے، مصنف نے تو صرف دو جملے تحریر کرکے تمام مفروضات وسوالات کا جامع جواب دے دیا ہے کہ "حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب شوق تصنیف کے جذبے کے تحت نہیں بلکہ (اس فن میں) ادائے فرض کے احساس سے لبریز ہوکر لکھی گئی ہے، اس کے سوا اپنی تالیف پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ البتہ وفاقی گورنمنٹ اردو کالج کراچی کے پرنسپل وسیکریٹری بورڈ آف گورنرز پروفیسر محمد رفیع عالم کے ان

ریمارکس سے کتاب کی اہمیت ورفعت اور فن حدیث میں ڈاکٹر صاحب کی وسیع مہارت وظاہر عیاں ہوجاتی ہے۔

چنانچہ پروفیسر رفیع عالم لکھتے ہیں:

"زیر نظر کتاب اپنے موضوع اور نوعیت کے اعتبار سے منفرد اور جامع کتاب ہے، پندرہ ابواب پر مشتمل اس کتاب کو مصنف نے عام فہم اور مدلل انداز تحریر کے ساتھ تحقیقی حوالوں سے زینت بخشی ہے، انہوں نے اپنی معلومات اور قابلیت کا بہتر طور پر استعمال کیا ہے، یہ کتاب اپنی جامعیت۔ مشتملات، فکر ونظر اور اسلوب کے اعتبار سے اس عنوان پر دستیاب دیگر کتب سے کہیں زیادہ بہتر ہے، کتاب کے مطالعے سے مصنف کی علمی بصیرت اور تحقیق وتدوین میں ان کی جستجو کا اندازہ ہوتا ہے، یہ کاوش اسلامی موضوعات کے مطالعے میں گرانقدر اضافہ ہے"

اسی طرح جامعہ علیمیہ اسلامیہ (المرکز الاسلامی) کراچی کے پرنسپل اور ڈاکٹر صاحب کے استاذ محترم ابوفہیم انواراللہ صاحب کے یہ کلمات تحسین بھی فن حدیث میں ڈاکٹر صاحب کی گہری رغبت ودلچسپی کو اجاگر کرتے ہیں، لکھتے ہیں۔

"اس قحط الرجال کے دور میں فاضل تلمیذ حافظ محمد شکیل اوج نے اس علم کی جو خدمت کی ہے اور عرق ریزی سے کام کیا یہ انہی کا حصہ ہے، مصطلحات حدیث کو فصیح وبلیغ اور شگفتہ زبان میں بیان کیا ہے بلا مبالغہ اس خصوصیت میں ان کی نظیر نہیں ملتی، اردوزبان میں یہ کتاب گرانمایہ جواہرات سے معمور ہے۔ دورحاضر کے افکار وضروریات کے مطابق نہایت ہی محققانہ ضبط وتفصیل آگئی ہے اور ترتیب وتعلیق، حواشی وعنوانات کا کام بڑی عرق ریزی اور علمی وفنی نقطہ نجی کے ساتھ کیا گیا ہے، غرض اس مجموعہ میں وہ سب کچھ شگفتہ اور عام فہم اردوزبان میں موجود ہے جس پر قارئین اور طلباء جتنا ناز کریں کم ہے اور یہ ان نفوس کے لئے گلدستہ محمدی ﷺ ہے جو عشق رسول کریم ﷺ کی شمع دل میں روشن کئے پروانہ وار علوم ترجمان قرآن کے لئے تڑپ رہے ہیں"۔

ان دونوں پیراگرافوں میں افواہوں پر قائم کردہ مفروضوں کا شافی وکافی جواب موجود

ہے اور سب سے بڑھ کر خود کتاب بھی مصنف کی علم حدیث میں خدمات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

بہرحال ڈاکٹر صاحب کی یہ وقیع کتاب درج ذیل چندرہ ابواب پر مشتمل ہے۔

پہلا باب اصول روایت ودرایت کے عنوان سے قائم کیا گیا ہے جس میں علم حدیث کی تعریف، علم حدیث کا موضوع، علم حدیث کی غرض وغایت، اسی طرح علم اصول کی تعریف، علم اصول کا موضوع اور علم اصول کی غایت کی تعریفات تحریر کرنے کے بعد علم حدیث کی توضیح ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ علم حدیث روایۃً سے آنحضرت ﷺ کے اقوال، افعال، احوال، تقریرات نیز اوصاف کی معرفت حاصل ہوتی ہے جبکہ علم حدیث درایۃً سے راوی، مروی عنہ کے حالات، ردوقبول کی حیثیت سے معلوم ہوتے ہیں۔

بعدازاں حدیث وسنت کی الگ الگ تعریف بیان کرکے حدیث قولی، حدیث فعلی، حدیث تقریری کی توضیح فرمائی گئی ہے پھر حدیث مرفوع، حدیث موقوف، حدیث مقطوع اور (حدیث،خبر،اثر) میں فرق کو نمایاں کیا گیا ہے، اسی طرح سند اور متن کی تعریف لکھ کر پھر ان دونوں میں احکام کے فرق کو شرح کیا گیا ہے، پھر حدیث متصل، منقطع بمعنی اخص، معضل، معلق کی مختصر لفظوں میں تصریح کی گئی ہے، علم الجرح والتعدیل کی تشریح کرنے کے بعد مجموعی طور پر ۲۲ کتب ثقات وکتب ضعفاء کی فہرست دی گئی ہے، اس کے ساتھ ہی علم اصول الروایت کا ارتقائی جائزہ لے کر علماءِ اصولیین کے اسماء گرامی مع ان کی معروف کتب کے ضبط تحریر کیے گئے ہیں، اسی طرح روایت اور درایت کے اصولوں پر مختلف حوالہ جات سے کافی تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے اور لکھا ہے کہ اصول روایت کے ساتھ تدوین حدیث کے وقت درایت (عقلی حیثیت سے حدیث کو جانچنا) کے اصول بھی منضبط ہوئے تھے، پھر دس اصول درایت تحریر کرنے کے علاوہ تقریباً چودہ وہ اصول بھی (معمولی اضافہ کے ساتھ) تحریر کردیے ہیں جو شبلی نعمانی نے ملا علی قاری کی موضوعات کے حوالے سے حدیثوں کے نامعتبر ہونے کے چند اصول مع امثلہ نقل کیے ہیں، آخر

میں بطور نتیجہ لکھتے ہیں۔

"درایت کے یہ وہ اصول ہیں کہ جن کے اطلاق وانطباق سے صحیح اور غیر صحیح مواد کا ٹھیک ٹھیک اندازہ ہوجاتا ہے، مختصراً یہ کہ دیگر علوم وفنون اور اشخاص وواقعات کی طرح علم الحدیث پر تحقیق کرتے ہوئے صحیح اور غیر صحیح مواد کی پہچان میں داخلی اور خارجی ہر دو طرح کی شہادتیں شامل ہیں کہ جن کے بغیر نہ تو کوئی تحقیق، صحیح تحقیق کہلانے کی مستحق ہے اور نہ ہی اپنے مطلوب کی صحیح اور کامل معرفت کا حصول ممکن ہے۔ (اصول حدیث وتاریخ حدیث، ص۲۹)

دوسرے باب میں حدیث کی اقسام واحکام کے حوالے سے پہلے یہ وضاحت کرتے ہیں کہ کوئی بھی حدیث غلط یا ناقابل عمل نہیں ہوتی اور حدیث کے جو اقسام واحکام بیان کیے جاتے ہیں وہ باعتبار رواۃ حدیث کے ہیں یعنی فلاں راوی کس مرتبہ کا ہے اور کس سے روایت کررہا ہے، نیز یہ کہ روایت کا سلسلہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک ہے یا صحابی یا تابعی تک ہے، مزید یہ کہ حدیث کے راوی ایک ہیں دو ہیں یا متعدد ہیں وغیرہ وغیرہ۔

بعدازاں باعتبار تعداد رواۃ حدیث کی چار اقسام (۱)متواتر (۲)مشہور (۳)عزیز (۴)غریب کی تعریف وتوضیح کرتے ہیں جبکہ متواتر کی مزید دو اقسام متواتر لفظی اور متواتر معنوی۔ اسی طرح حدیث غریب کی بھی دو اقسام، فرد مطلق اور فرد نسبی کی الگ الگ تعریف تحریر کی گئی ہے پھر خبر واحد کی تعریف نقل کرکے اس کی بھی دو قسمیں خبر مقبول اور خبر مردود کی تعریف کے بعد لکھتے ہیں:

"جمہور اصولیین کے مطابق ثقہ راوی سے منقول خبر واحد دیگر شرعی دلائل کی طرح واجب العمل اور حجت ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف سلاطین کے نام جو مکتوبات روانہ فرمائے تھے انہیں لے جانے والے صحابی اکیلے ہوتے تھے، اس لئے انہیں واجب التعمیل قرار دیا تھا، یہی وجہ ہے کہ خلفاء راشدین، دیگر صحابہ کرام اور سلف وخلف بھی شخص واحد کی خبر پر اعتماد کرتے تھے"

(اصول حدیث وتاریخ حدیث ص۳۵)

اس کے بعد باعتبار اوصاف رواۃ حدیث کی اقسام تحریر کی گئی ہیں یعنی صحیح، صحیح لذاتہ، صحیح لغیرہ، حسن، حسن لذاتہ، حسن لغیرہ، ضعیف، شاذ، منکر، متابع، شاھد، موضوع، متروک، متفق علیہ کی تعریف وتوضیح لکھی گئی ہیں، اسی طرح احادیث صحیحہ کے مابین فرق وامتیاز کے عنوان سے بھی تفصیلی گفتگو کی گئی ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ قوت وصحت میں سب سے اعلیٰ درجہ کی وہ احادیث ہیں جوامام بخاری وامام مسلم کی متفق علیہ ہیں، اس کے ساتھ ہی حدثنا، اخبرنا، انبانا میں فرق بیان کرکے علم حدیث میں مشغول ہونے والوں کے پانچ مراتب یعنی ان کے درج ذیل اصطلاحی نام (۱)طالب (۲)محدث یاشیخ الحدیث (۳)حافظ (۴)حجت (۵)حاکم تحریر کرکے ان کی توضیح بھی کردی گئی ہے اور نوٹ میں یہ بھی لکھ دیاہے کہ بعض نے حجت کی تعریف حاکم کے تحت اور حاکم کی تعریف حجت کے تحت کردی ہے یوں اس میں غلط مبحث ہوگیاہے۔

تیسراباب ''اخذ حدیث کے مختلف طریقے'' کے عنوان سے قائم کیاگیاہے، عہدنبوی اور عصرصحابہ پر تفصیلی گفتگو کرکے خلاصہ کے طورپر اخذ حدیث کے چار طریقے تحریر کئے گئے ہیں (۱)صحابہ، حضور اکرم ﷺ سے براہ راست حدیث اخذ کرتے۔ (۲)صحابہ، آنحضرت کے افعال وتقریرات کوبچشم خود ملاحظہ کرکے دوسرے صحابہ کو بتایاکرتے۔ (۳)صحابہ، ان سے اخذ حدیث کرتے، جنھوں نے براہ راست حضور سے اخذ کی ہوتی۔ (۴)پڑھے لکھے صحابہ حدیثیں لکھ لیاکرتے تھے چانچہ دیگرصحابہ ان سے بھی اخذ حدیث کے طالب ہوتے جیسے حضرت عبداللہ بن عمروبن العاص کہ جنھیں خود آنحضرت ﷺ نے حدیث لکھنے کی خصوصی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔

اس کے بعد عصرصحابہ ودورتابعین پرقلم اٹھایاہے کہ یہ وہ وقت تھاکہ جب مختلف شہروں میں دارالحدیث قائم کردیئے گئے تھے، جہاں باقاعدہ اخذحدیث کاکام ہوتاتھا، پھران شہروں کی مختصرتفصیل دی گئی ہے، سب سے پہلے مدینہ منورہ کے حوالے سے لکھاہے کہ یہاں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمرفاروق، (کوفہ میں سکونت سے قبل) حضرت علی، حضرت ابوھریرہ، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت عبداللہ ابن عمر، حضرت ابوسعید خدری، حضرت زید بن ثابت وغیرھم

کوحدیث وفقہ میں بڑی شہرت حاصل تھی، اس کے نیچے مذکورۃ الصدر صحابہ کرام کے آغوش علم وفضل میں تربیت پانے والے تابعین کے نام دیئے گئے ہیں۔

اسی طرح مکہ معظمہ میں فتح مکہ کے بعد حضور اکرم نے حضرت معاذ بن جبل کوشرعی احکام ومسائل کے لئے وہاں قیام کاحکم دیا، نیز حضرت عبداللہ ابن عباس بھی بصرہ سے مکہ آگئے، جوکہ یہاں کے دارالحدیث کے رئیس قرارپائے اوربھی بہت سے صحابہ کرام مکہ میں موجود تھے جیسے عبداللہ بن سائب مخزومی، عتاب بن اسید، خالد بن رسید، حکم بن ابی العاص، عثمان بن طلحہ وغیرھم کے علاوہ محدث حاکم نے اپنی کتاب ''معرفۃ علوم الحدیث'' میں ایسے صحابہ کی ایک مبسوط فہرست دی ہے، اس کے نیچے حضرت عبداللہ ابن عباس سے اخذ حدیث کرنے والے چند تابعین کی فہرست بھی دی گئی ہے۔

کوفہ کے دارالحدیث کی قیادت وسیادت کاسہرا، اگرچہ حضرت عبداللہ ابن مسعود کے سرجتاہے مگردیگرصحابہ کی ایک بڑی تعداد بھی وہاں اس عمل میں مشغول تھی، حضرت علی بھی کوفہ میں سکونت پذیر ہوگئے تھے پھرحضرت سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید، خباب بن ارت، سلمان فارسی، حذیفہ بن یمان، عمار بن یاسر، ابوموسیٰ اشعری، براء بن عازب، مغیرہ بن شعبہ، نعمان بن بشیر، ابوالطفیل، ابوجحیفہ وغیرہم بھی تدریس حدیث میں شریک رہے، یہاں پرحضرت ابن مسعود سے فیض یاب ہونے والے تابعین کی مختصرفہرست بھی دی گئی ہے۔

بصرہ کے دارالحدیث کے سرخیل حضرت انس بن مالک تھے، حضرت عبداللہ ابن عباس بھی مکہ جانے سے پہلے یہیں قیام پذیرتھے، دیگرصحابہ کرام کے اسماء گرامی لکھنے کے بعد ان تابعین کی فہرست دی گئی ہے جوبصرہ کے دارالحدیث سے فارغ التحصیل ہوئے تھے اسی طرح جب شام فتح ہوا توحضرت عمرفاروق نے حضرت معاذ بن جبل کو یہاں بھیج دیا، یہ وہی معاذ بن جبل ہیں جنھیں حضور کریم ﷺ نے پہلے یمن بھیجاتھا، پھرفتح مکہ کے بعد مکہ میں قیام کاحکم فرمایاتھا اسی ملک شام میں حضرت عبادہ بن صامت، ابوالدرداء انصاری، عبدالرحمٰن بن غنم،

شرحبیل بن حسنہ، فضل بن عباس وغیرہم جیسے صحابہ موجود تھے، جن کی تعلیم وتربیت سے بکثرت تابعین مستفید ہوئے جن میں چند تابعین کے اسماء گرامی بھی درج کئے گئے ہیں، اسی طرح فتح مصر کے بعد بکثرت صحابہ یہاں تشریف لائے جن میں سے چند کے نام درج ہیں، ان میں مشہور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ہیں، ان صحابہ کے فیض تربیت سے تابعین کی ایک بہت بڑی جماعت فیض یاب ہوئی، اس مختصر سے تبصرہ سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ صحابہ وتابعین نے اخذ حدیث کے ضمن میں نیز حدیث کی اشاعت، نقل وروایت میں مقدور بھر حصہ لیا۔ اس کے بعد اصطلاح محدثین میں اخذ وتحمل کے مختلف طریقے جیسے سماعت، قرأت، اجازت، مناولہ، مکاتبت، اعلام، وصیت اور وجادت پر مع ان کی تعریف وتوضیح تحریر کئے گئے ہیں۔

چوتھا باب ''حفاظت حدیث مختلف ادوار میں'' کے عنوان سے قائم کیا گیا ہے جس میں عہد نبوی اور عصر صحابہ میں دوطرح سے جمع وحفاظت حدیث پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے یعنی ایک تو حفظ کر کے اور دوم لکھ کر، طرح اول پر جس طرح تفصیل سے لکھا گیا ہے اسی طرح، طرح دوم پر بھی تفصیلی قلم اٹھایا گیا ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ عہد نبوی میں ہی صحابہ نے احادیث مبارکہ کو قلم بند کرنا شروع کر دیا تھا، خود نبی ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر اپنا طویل خطبہ ابوشاہ یمنی کو اس کی درخواست پر لکھوا دیا تھا، اسی طرح عبداللہ بن عمرو بن عاص کو آنحضرت نے حدیث لکھنے کی عام اجازت دی جس کا ذکر حضرت ابوہریرہ نے بھی کیا ہے، بلکہ بعد میں خود ابوہریرہ نے بھی حدیثوں کو قلمبند کرنا شروع کر دیا تھا، حضرت انس کو تو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے حدیث لکھ کر خود حضور اکرم ﷺ کو سنائی تھی اور حضرت عبداللہ ابن عمر نے بھی احادیث کو لکھ کر محفوظ کر لیا تھا، اب یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ عہد صحابہ میں حدیث کا ایک معتدبہ حصہ قلم بند ہو گیا تھا، پھر اس اجمال کی تفصیل تحریر کی گئی ہے اور ایک جملے میں خلاصہ یہ لکھا ہے کہ تدوین حدیث عہد نبوی میں ہی شروع ہو چکی تھی۔

اس کے بعد دور تابعین میں تدوین حدیث کے حوالے سے حضرت عمر بن عبدالعزیز

کے ایک حکم نامے کا ذکر کرتے ہیں اور پھر اس حکم کی متابعت میں جو صحیفے اور کتب مرتب ہوئیں انہیں امیر المؤمنین کے حکم سے بلاد اسلامیہ میں بھجوایا گیا، یہ کام دینی جذبہ کے ساتھ نہایت ہی ارفع واعلیٰ ہوا، امیر المؤمنین کے حکم پر سب سے پہلے امام ابن مسلم الزہری (م۱۲۴ھ) نے لبیک کہا، مکہ مکرمہ میں ابن جریج نے احادیث جمع کیں، جبکہ کوفہ میں سفیان ثوری، بصرہ میں حماد بن سلمہ، ربیع بن صبیح، سعید بن ابی عروبہ نے احادیث کے مجموعے تیار کئے، خراسان میں عبداللہ ابن مبارک، شام میں امام اوزاعی، یمن میں معمر بن راشد، رے میں جریر بن عبدالحمید نے یہ مجموعے مرتب کئے تھے، بعد ازاں ان حضرات کی جمع وتدوین کے طرز ومنہاج کو قلمبند کیا گیا ہے، اس کے بعد دور تہذیب وتنقیح کے عنوان سے تفصیل سے لکھا گیا ہے اور تقریباً تیرہ آئمہ حدیث کی مسانید کے نام تحریر کر کے تیسری صدی کے آغاز کے امام بخاری اور امام مسلم کے نئے اسلوب کے تحت تدوین حدیث پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، آخر میں مختصری توضیح میں ایک بہت بڑے سوال کا جواب یوں دے دیا ہے کہ ''ابتدائی دور کی بعض کتب حدیث جو آج ہمیں نہیں ملتیں، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ بعد کے علماء، دراصل ان مجموعہ ہائے حدیث کو اپنی کتابوں میں ضم کرتے رہے اور یوں پہلی کتابوں کی جداگانہ اشاعت نہ ہوسکی۔ (اصول حدیث وتاریخ حدیث ص۵۶)

پانچواں باب ''اقسام کتب حدیث'' کے عنوان سے قائم کیا گیا ہے، جس میں مصنفات، مسانید، معاجیم، جوامع، سنن، مستدرکات اور مستخرجات کی نہ صرف تعریف وتفصیل تحریر کی گئی ہے بلکہ ہر قسم کی کتب کے اسماء کی فہرست بھی دی گئی ہے، اس کے ساتھ ہی مستخرجات صحیح بخاری، مستخرجات صحیح مسلم اور مستخرجات صحیحین کے ناموں کو بھی ضبط تحریر میں لایا گیا ہے، اسی طرح کتب صحاح، اربعینیات، اجزاء، مفردہ، امالی، اطراف اور رسائل کی تفصیلی تعریفات کے ساتھ ان اقسام میں سے ہر قسم کی کتب کے اسماء بھی تحریر کئے گئے ہیں۔

چھٹا باب ''امام اعظم ابوحنیفہؒ'' کے عنوان سے قائم کیا گیا ہے، جسے ڈاکٹر صاحب نے ۴۰ کتابوں کے حوالہ جات سے مزین کیا ہے، اس باب کے ذیلی عنوانات میں سوانح عمری پر

اگرچہ کافی کچھ تحریر کیا گیا ہے مگر دوسرے عنوان ''امام اعظم اور علم حدیث'' پر بہت ہی مدلل اور توضیحی گفتگو کی گئی ہے اور متعدد حوالہ جات سے امام اعظم کی اجلہ صحابہ کرام اور اکابر تابعین سے سماعت حدیث کو ثابت کیا گیا ہے، اسی طرح امام اعظم پر قلت روایت جیسے الزام کا بھی مدلل جواب دیکر مختلف حوالہ جات سے ثابت کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اپنی تصانیف میں ستر ہزار سے زائد احادیث بیان کی ہیں اور چالیس ہزار احادیث سے کتاب الآثار کا انتخاب کیا ہے۔

تیسرے ذیلی عنوان میں امام اعظم کے اساتذہ وشیوخ کے دودرجن سے زائد اسماء گرامی تحریر کرکے مختلف حوالہ جات سے باور کرایا گیا ہے کہ آپ کے اساتذہ کی تعداد چار ہزار سے فوق تھی جن کا ذکر نام بنام امام ابوحفص کبیر نے کیا ہے جبکہ بعض کے قول کے مطابق چار ہزار شیوخ تو صرف تابعین سے تھے، اسی طرح چوتھے ذیلی عنوان میں آپ کے تلامذہ کی تعداد تقریباً آٹھ سو بتا کر کچھ معروف نام بھی تحریر کردیئے گئے ہیں، پانچویں ذیلی عنوان میں امام اعظم کی تصانیف کتاب العالم والمتعلم، کتاب الفقہ الاکبر، کتاب الآثار پر مع ان کے موضوع اور غرض غایت اگرچہ مختصر ہے مگر مدلل طرز تحریر ہے چھٹے ذیلی عنوان میں امام صاحب کے بارے میں مختلف آئمہ کے اعتراضات تحریر کئے گئے ہیں، ساتویں عنوان میں وفات اور اسباب وفات کو تحریر کیا گیا ہے۔

آٹھویں ذیلی عنوان میں کتاب الآثار کی تنقیح کی گئی ہے کہ امام اعظم نے اپنے ''املاء حدیث'' کو خود ہی کتاب الآثار کا نام دیا ہے جسے آپ کے تلامذہ نے حدثنا اور اخبرنا کے صیغوں سے آگے بڑھایا، امام صاحب کے شیوخ کی ترتیب پر احادیث جمع کرکے جو مسانید امام اعظم ترتیب دی گئی ہیں ان کا زیادہ تر انحصار امام محمد کی روایت کردہ کتاب الآثار پر ہے، اس لئے کتاب الآثار کا امام اعظم کی طرف انتساب بالکل صحیح ہے جیسے مؤطا امام مالک کو باوجود یحیٰ بن یحیٰ کی روایت کہ امام مالک سے منسوب کیا جاتا ہے، یا قاضی اسمٰعیل کی مرتب کردہ کتاب احکام الاحکام کو ابن دقیق کی تصنیف کہا جاتا ہے، بہرحال امام صاحب نے آثار کو ثقہ اور معزز لوگوں سے

روایت کیا ہے جو بہت ہی وسیع العلم تھے۔

نویں ذیلی عنوان ''اسلوب'' کے ضمن میں امام اعظم کی ان سخت شرائط کا ذکر ہے جو انہوں نے حدیث کو قبول کرنے میں عائد کی ہیں، یہ وہ شرائط واصول ہیں جنہیں علماء احناف نے آپ کے بیان کردہ مسائل سے مستنبط کیا ہے، اس طرح بارہ کتب کے حوالوں سے آپ کی اٹھارہ شرائط تحریر کی گئی ہیں۔ اسی طرح دسویں اور گیارہویں عنوانات میں مرویات امام اعظم اور مرویات امام اعظم کی حیثیت پر تفصیل سے لکھا گیا ہے جبکہ بارہویں عنوان ''کتاب الآثار کے نسخے'' میں نسخہ جات کی تفصیل دی گئی ہے اور جن حضرات نے مسانید مرتب کی ہیں ان میں سے بیس مسانید مع ان کے مرتبین کے نام بھی تحریر کردیئے گئے ہیں۔

ساتویں باب میں امام مالک کی حیات کا مجموعی طور پر احاطہ کیا گیا ہے آپ کے اساتذہ کے ذکر میں تحریر کیا ہے کہ بقول علامہ زرقانی آپ نے نوسو سے زائد مشائخ واساتذہ سے استفادہ کیا ہے اور بچانوے شیوخ سے روایت کی ہے جو سب کے سب مدنی تھے، نیز امام مالک کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کی آپ کے والد، چچا اور دادا بھی محدث تھے، آپ نے قرأت قرآن کی سند مدینہ کے امام القرأ حضرت نافع بن عبدالرحمٰن سے حاصل کی تھی، امام مالک کے کچھ اساتذہ کی فہرست کے بعد آپ کے اکیاون تلامذہ کی بھی فہرست دی گئی ہے اسی طرح آپ کی بارہ کتب وکراسات کی تفصیل تحریر کرکے پھر آپ کے بارے میں متعدد آئمہ کے اعترافات نقل کئے گئے ہیں۔

اس کے بعد فن حدیث پر آپ کی پہلی کتاب مؤطا امام مالک پر تفصیلی قلم اٹھایا گیا ہے، لفظ مؤطا کے متعدد معانی ومفاہیم کے ساتھ ساتھ متعدد آئمہ کے اقوال سے اس کتاب کی عظمت کو اجاگر کیا گیا ہے، مؤطا امام مالک، پہلے ایک لاکھ سے پھر دس ہزار سے حدیثوں کا انتخاب ہے، اسے مدینہ کے ستر فقہاء نے نہ صرف پسند کیا بلکہ اس کی موافقت وحمایت فرمائی تھی، بعد ازاں امام مالک کی طرف سے قبول حدیث کے حوالے سے اٹھارہ شرائط تحریر کی گئی ہیں؛ امام مالک کی

مرویات کی تعداد لکھ کر پھر ان کی مرویات کی فنی حیثیت پر گفتگو کی گئی ہے، اسی طرح طبقہ اولیٰ میں مؤطا کی حیثیت اور اس کی شروحات و مختصرات کو قلم بند کرنے کے بعد مؤطا کے نسخہ جات کو ضبط تحریر میں لایا گیا ہے۔

آٹھویں باب میں امام شافعی کی حیات و خدمات حدیث وفقہ پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے، امام شافعی کے اساتذہ میں ایک نمایاں نام امام محمد بن حسن شیبانی کا ہے جو امام اعظم ابوحنیفہ کے عظیم المرتبت شاگرد تھے، اس کے علاوہ امام محمد نے چونکہ امام شافعی کی والدہ سے شادی کر لی تھی اس لئے وہ ان کے دوسرے والد بھی ہوگئے تھے امام شافعی ابتداء میں امام مالک کے مقلد تھے پھر نئے فقہ کی تدوین کی اور اپنے مذہب کے بانی کہلائے، انہوں نے فقہ حنفی اور مالکی میں تطبیق پیدا کرنے کی کوشش بھی کی تھی، جس سے آپ کا مذہب مذکورہ مذاہب کے درمیان کی کڑی کی حیثیت رکھتا ہے، بعد ازاں امام شافعی کے اصول، اساتذہ و تلامذہ کی فہرست دی گئی ہے۔

امام شافعی سے منسوب ان کی اٹھارہ تصانیف کا توضیحی ذکر کر کے جلیل القدر آئمہ کے اُن کے بارے میں اعترافی و تعریفی اقوال درج کئے گئے ہیں، اسی طرح مسند امام شافعی پر سیر حاصل تبصرہ کر کے اُن کے اسلوب پر تفصیل سے لکھا ہے، امام شافعی، احتیاط کے پیش نظر سوائے سعید بن مسیب سے مروی دیگر مرسل روایات کو قبول نہیں کرتے تھے چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے اس پر توضیحی کلام کر کے نیچے مدینہ کے اُن فقہاء سبعہ کے اسماء گرامی بھی درج کر دیئے ہیں جن کے فیصلے سے بعد از صحابہ تمام فتاویٰ، مسائل اور مقدمات وقضایا طے پائے تھے اور خلاصہ کے طور پر لکھا ہے کہ امام شافعی نے جمع الروایات، تنقید احادیث، اصول روایات اور امتیاز مراتب کے قواعد خصوصیت کے ساتھ مرتب کئے، انہوں نے اپنی کتاب الام اور الرسالہ میں بکثرت روایات سے استدلال کیا ہے۔

نواں باب امام احمد بن حنبل کے عنوان سے قائم کیا گیا ہے جس میں امام موصوف کی حیات و خدمات پر تفصیلی طور سے تحریر کیا گیا ہے کہ آپ اجتہاد بالرائے سے احتراز کرنے اور قرآن

وحدیث سے استدلال کرنے میں خاصے مشہور تھے، آپ زمرہ محدثین میں امیر المؤمنین فی الحدیث اور زمرہ مجتہدین میں مجتہد مطلق کے منصب پر فائز تھے، آپ کا فقہی مذہب جن پانچ اصولوں پر قائم ہے وہ اصول بھی تحریر کئے گئے ہیں، اسی طرح خلق قرآن کا مناقشہ کے زیر عنوان تفصیل دے کر امام صاحب کے اساتذہ و تلامذہ کی ایک طویل فہرست تحریر کی گئی ہے، پھر آپ کی تصانیف مع تصریحات قلمبند کر کے آئمہ اعلام کے آپ کے بارے میں اعترافات کو نقل کیا گیا ہے۔

آپ کی تصنیف مسند احمد پر اور آپ کے اسلوب پر بہت کچھ تحریر کرنے کے بعد مرویات مسند احمد کی فنی حیثیت کو زیر بحث لایا گیا ہے اس سلسلے میں تین معروف اقوال نقل کر کے ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں "حافظ ذہبی کے بقول یہ دعویٰ تو نہیں کیا جا سکتا کہ مسند احمد میں حسن کے درجے کی تمام روایات شامل ہیں تاہم یہ صحیح ہے کہ اس میں اکثر احادیث حسان موجود ہیں اور جہاں تک غریب وضعیف روایات کا تعلق ہے تو امام احمد نے ان میں مشہور تر روایات کو شامل کتاب کیا ہے، مسند میں شاذ و نادر ہی کوئی ایسی حدیث ہوگی جو ساقط الاعتبار ہو۔

اس کے بعد "مسند احمد کی تحقیق" کے زیر عنوان اس مسند کی احادیث کو چھ اقسام میں تفصیلا بیان کرتے ہوئے مسند احمد کی خصوصیات بھی قلمبند کی گئی ہیں اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ عبداللہ اور ابوبکر قطیعی کی زوائد شامل کرنے کے بعد مسند احمد میں احادیث کی تعداد چالیس ہزار ہے مگر بحذف مکررات تیس ہزار ہے جو کہ سات سو صحابہ سے روایت کی گئی ہیں، البتہ اس میں اصل روایات کی تعداد تین ہزار ہے، آخر میں شروحات وحواشی کی تفصیل دی گئی ہے۔

دسویں باب میں امام بخاری کی حیات، حالات وواقعات اور روایت حدیث کے حوالے سے مفصل لکھا گیا ہے اساتذہ کی طویل فہرست دے کر پھر ان کے اساتذہ کو الگ الگ پانچ طبقات میں تقسیم کیا گیا ہے، امام بخاری کے فقہی مسلک کو قلمبند کر کے ان کے بارے میں اساتذہ، معاصرین اور تلامذہ کے تاثرات واعترافات تحریر کرنے کے علاوہ ان کے تلامذہ کی ایک فہرست بھی دی گئی ہے۔

امام بخاری کی ۲۳ تصانیف کے نام لکھ کر پھر ان کی مرتبہ صحیح بخاری پر تفصیلی تبصرہ کیا گیا ہے جس میں یہ بتایا ہے کہ صحیح بخاری سے پہلے موطا امام مالک کو صحیح ترین کتاب قرار دیا گیا تھا مگر اب یہ مقام صحیح بخاری کو حاصل ہے، اس کے علاوہ صحیح بخاری کی تالیف کے محرکات بھی تحریر کئے گئے ہیں، اس طرح صحیح بخاری کی روایات کی فنی حیثیت اور تراجم ابواب پر بھی مختلف حوالہ جات سے گفتگو کی گئی ہے۔

صحیح بخاری کی مرویات کی تعداد میں علماء کا اختلاف ہے، ڈاکٹر صاحب نے دوسرے حضرات کی متعین کردہ تعداد تحریر کرنے کے بعد حافظ ابن صلاح اور نووی کی تحقیق کے مطابق مجموعی تعداد سات ہزار دوسو پچھتر لکھی ہے جبکہ حذف مکررات کے بعد چار ہزار لکھی ہے اسی طرح حذف مکررات کے بعد احادیث مرفوعہ کی تعداد میں بھی اختلاف ہے البتہ ڈاکٹر صاحب نے مشہور قول کے مطابق احادیث مرفوعہ کی تعداد ۲۶۲۳ لکھی ہے مزید یہ کہ بخاری کی اعلیٰ مسانید پر احادیث جو کہ ثلاثیات ہیں وہ بائیس ہیں مگر حذف مکررات کے بعد صرف سولہ رہ جاتی ہیں، اس کے بعد شروحات ورواۃ پر بھی مفصل لکھا گیا ہے۔

گیارھویں باب میں امام مسلم کی حیات، حالات، واقعات، تحصیل علم ودیگر مشاغل پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے، بعض امور میں انہیں امام بخاری پر بھی فضیلت حاصل ہے، جیسے امام بخاری کی اکثر روایات اہل شام کی کتب سے منقول ہیں یعنی بخاری نے ان مرویات کی ان کے مؤلفین سے سماعت نہیں کی جبکہ امام مسلم نے تمام مرویات سن کر جمع کی ہیں، یا جیسے امام بخاری کو بعض اوقات نام، لقب اور کنیت میں مغالطہ ہو جاتا ہے اور وہ ایک ہی راوی کو دو الگ الگ راوی سمجھ لیتے ہیں جبکہ امام مسلم کو راویوں کے نام، لقب اور کنیت میں کبھی مغالطہ نہیں ہوا (جبکہ میری تحقیق کے مطابق صحیح مسلم کو ہر زاویہ نگاہ سے صحیح بخاری پر فوقیت وبرتری حاصل ہے۔ (سعیدی)

اس کے بعد امام مسلم کے اساتذہ، تلامذہ اور تصانیف کی فہرست تحریر کرکے اُن کے حق میں متعدد آئمہ کے اعترافات نقل کئے گئے ہیں، پھر صحیح مسلم کے عنوان سے مسلم شریف کی بخاری

بہیت دیگر کتب احادیث پر فوقیت وبرتری ثابت کرکے لکھا گیا ہے کہ مسلم شریف میں درج احادیث کی صحت پر اس وقت کے اکابر محدثین کا بھی اتفاق تھا، بلکہ اس وقت کے علل حدیث اور جرح وتعدیل کے امام ابوزرعہ نے بھی اسے بنظر امعان دیکھا اور پھر تحسین کی، نیز صحیح مسلم کو جامع المسلم قرار دینے پر کئے جانے والے اعتراض کا انتہائی مدلل وشافی جوابات تحریر کئے گئے ہیں، اس کے بعد صحیح مسلم کے اسلوب جمع وتدوین کی متعدد ایسی خوبیوں کو تحریر کیا گیا ہے جو صرف انہیں کا حصہ ہیں اس طرح کی پندرہ خصوصیات ذکر کی گئی ہیں۔

اسی طرح صحیح مسلم کی روایات کی فنی حیثیت پر تفصیلی گفتگو کے بعد تعداد مرویات کے حوالے سے بتایا کہ بقول امام مسلم، میں نے تین لاکھ احادیث سے اپنی صحیح مسند کا انتخاب کیا ہے، صحیح مسلم کی کل احادیث بارہ ہزار ہیں جبکہ حذف مکررات کے بعد متفقہ تعداد چار ہزار ہے آخر میں صحاح ستہ میں صحیح مسلم کی حیثیت پر مختلف آئمہ اعلام کے اقوال نقل کرنے کے بعد شروحات مختصرات اور صحیح مسلم کے رواۃ ضبط تحریر میں لائے گئے ہیں۔

بارھویں باب میں "امام ابوداؤدؒ" کی حیات، حالات، واقعات، تحصیل علم، علمی خدمات پر گفتگو کے بعد آپ کے اساتذہ وتلامذہ اور تصانیف کی فہرست دے کر آئمہ اعلام کے آپ کے بارے میں تاثرات واعترافات کو قلمبند کیا گیا ہے پھر سنن ابوداؤد کی خصوصیات اور اسلوب جمع وتدوین پر تفصیل سے لکھا گیا ہے، اسی طرح سنن ابوداؤد کی روایات کی فنی حیثیت، شروحات مختصرات اور نسخہ جات پر بھی تفصیل سے تحریر کیا گیا ہے۔

اسی طرح اور انہی عنوانات کے تحت امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ پر تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں باب میں تفصیل بیان کی گئی ہے اس کے بعد کتاب الآثار (بروایت امام محمد) سے چند احادیث بعنوان صدق وکذب، غیبت وبہتان، صلہ رحمی والدین سے حسن سلوک، اولاد کے مال میں سے کیا چیز حلال ہے، نیک راہ بتانے والا کرنے والے کے مثل ہے تحریر کی گئی ہیں، اسی طرح موطا امام مالک سے غرر کی حد کا بیان، جن برتنوں میں نبیذ بنانا مکروہ ہے، جن

دو چیزوں کو ملا کر نبیذ نہ بنائی جائے، تحریم الخمر، شراب کی حرمت کے متعلق دیگر روایات جیسی مرویات تحریر کی گئی ہیں، یوں ہی امام شافعی کی کتاب السنن سے سفر میں نماز سے متعلق احادیث وآثار کے عنوان سے دس حدیثیں درج کر کے مذکورہ احادیث سے متعلق چند ضروری وضاحتیں بھی تحریر کی گئی ہیں۔

اسی طرح مسند احمد بن حنبل سے مسند ابی بکر کی ابتدائی دس حدیثیں نقل کرنے کے بعد صحیح بخاری کے باب الاجارۃ سے گیارہ، صحیح مسلم کے کتاب العلم سے ۹، اور باب رفع العلم فی آخرالزمان سے پندرہ، باب من سن سنة حسنة وسيئة سے پانچ یعنی مجموعی طور پر ۲۹ حدیثیں نقل کی ہیں، اسی طرح سنن ابوداؤد کتاب القضاء سے دس، جامع ترمذی ابواب الوصایا سے نو، سنن نسائی کتاب الجہاد میں سے انیس، سنن ابن ماجہ باب الفتن سے پندرہ حدیثیں نقل کی گئی ہیں، کتاب الآثار، مؤطا امام مالک، کتاب السنن امام شافعی، مسند امام احمد، صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی اور ابن ماجہ سے جو روایات نقل کی گئی ہیں وہ ایم اے سال اول کے سلیبس کو مدنظر رکھ کر نقل کی گئی ہیں۔

واضح ہو کہ یہ سلیبس ۲۰۱۰ء میں تبدیل ہو گیا ہے لیکن اس تبدیلی کے باوجود ڈاکٹر صاحب کی کتاب، فن حدیث پر، ایک مستقل تصنیف کی حیثیت کی حامل ہے۔ جس سے حدیث کا ہر طالب علم اور صاحب مطالعہ فرد استفادہ کر سکتا ہے۔

تلخیص

المسائل والاحکام

از علامہ مفتی محمد اعظم سعیدی

جامعہ اسلامیہ کورے وال ٹرسٹ کراچی میں ۲۰۰۲ء میں ورلڈ اسلامک ریسرچ اینڈ فقہی کونسل کے تحت دارالافتاء قائم کیا گیا تو ڈاکٹر محمد شکیل اوج کی سربراہی میں ایک چار رکنی کونسل بنائی گئی تھی جو اندرون و بیرون ملک سے آنے والے استفتاءات کے قرآن وسنت کی روشنی میں جوابات دیتی تھی، اُن تمام جوابات کو بھی ترتیب دے کر چھاپنے کیلئے کام ہو رہا ہے مگر کچھ جوابات جو صرف ڈاکٹر صاحب کے قلم سے تحریر ہوئے اُن میں سے بھی منتخب مسائل مع جوابات سہ ماہی مجلہ التفسیر میں احکام المسائل کے عنوان سے چھپتے رہے ہیں [illegible] ان مطبوعہ جوابات میں سے چند ایک کی تلخیص پیش کی جارہی ہے تاکہ قارئین ڈاکٹر صاحب کے اس فن میں بھی طولیٰ سے آگاہ ہو جائیں۔

نبی ﷺ کے صاحب کتاب ہونے کی بحث:

ڈاکٹر صاحب نے اس عنوان پر تفصیلی جواب تحریر فرمایا ہے، پہلے تو لفظ کتاب پر لغت سے بحث کر کے اس کا مفہوم واضح کیا ہے، پھر بتایا گیا ہے کہ یہ لفظ قرآن مجید میں ۲۳۰ مرتبہ آیا ہے جبکہ لفظ کتابا، کتب اور کتبہ بالترتیب ۱۲، اور ۳-۳ مرتبہ آیا ہے، نیز سورۃ بقرہ کی آیت ۱۷۸، ۱۸۳، ۲۱۶ سورہ نور کی آیت ۳۳، بقرہ کی آیت ۲۳۵، نمل کی آیت ۲۸، ۲۹، نساء کی آیت ۲۴، انفال کی آیت ۶۸، ق کی آیت ۴، جمعہ کی آیت ۲، اعراف کی آیت ۱۷۰ سے لفظ کتاب کے معانی کوئی لازمی حکم، کوئی معاہدہ، کسی مدت کی آخری حد، خط یا پیغام، قانون، نوشتہ تقدیر، لوح محفوظ، احکام الٰہی وغیرہ بتائے ہیں ساتھ میں یہ بھی کہ یہ لفظ ایک سورۃ یا حصہ کتاب پر بھی بولا جاتا ہے نیز گذشتہ شریعتوں پر اور ہر ایک نبی کی وحی پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اور جملہ

انبیاء کرام و رسل عظام کی وحیوں پر بھی مجموعی طور پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، اسی طرح قرآن مجید میں وارد الفاظ "بینات" زبر اور کتاب منیر کو بھی شرح کر کے ان کے معانی و مرادات کا تعین کیا گیا ہے۔

بعدازاں سورہ نساء کی آیت ۱۶۳، ۱۶۴، حدید کی آیت ۲۵، ۲۶ سے استدلال کر کے یہ واضح کیا گیا ہے نبی اور رسول میں کوئی تفریق نہیں ہے جو رسول ہے وہی نبی ہے، ال عمران کی آیت ۸۱ کے مطابق تو ہر نبی کو کتاب و حکمت دیے جانے کا اعلان موجود ہے جب یہ وعدہ اللہ نے فرمایا ہے کہ لما اتیتکم من کتاب وحکمۃ" تو یہ وعدہ تمام نبیوں سے فرمایا گیا ہے اسی طرح ال عمران کی آیت ۸۵ سے بھی استدلال کر کے اپنے موقف کو منح فرمایا ہے کہ جملہ انبیاء و رسل صاحب کتاب تھے کوئی بھی نبی کتاب سے مستثنیٰ نہیں تھا یہ جواب سہ ماہی مجلہ التفسیر کراچی کے شمارہ اپریل تا جون ۲۰۰۵ء میں شائع ہوا تھا۔

کیا مہر کے بغیر نکاح ہوسکتا ہے:

ڈاکٹر صاحب نے اس کا جواب بھی بڑی تفصیل سے دیا تھا، قرآن میں مہر کیلئے وارد چار لفظوں کو منفسر کر کے تحریر فرمایا کہ مہر کی رقم متعین نہیں ہے یہ عرف اور شوہر کی مالی حیثیت پر موقوف ہے جسے وہ ادا کر سکتا ہو، بعدازاں مختلف آیات مبارکہ کی توضیح کر کے لکھا ہے کہ مہر کی ادائیگی بہت ہی ضروری ہے یہ حکم الٰہی بھی ہے اور سنت رسول بھی ہے، نیز اگر مجلس نکاح میں مہر مقرر نہیں کیا گیا تو بقرہ کی آیت ۲۳۶ کے مطابق نکاح تو ہو جائیگا لیکن شوہر کو مہر مثل پھر بھی دینا ہوگا، یہ جواب سہ ماہی التفسیر کے شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء میں شائع ہوا ہے۔

تخفیف عذاب کیا ہے:

سورۃ بقرۃ کی آیت ۸۶ کے حوالے سے پوچھا گیا تھا کہ اس آیت میں ہے ان لوگوں کے عذاب میں تخفیف نہیں ہوگی تو پھر وہ کون لوگ ہیں جن کے عذاب میں تخفیف ہوگی اور تخفیف عذاب کی شرائط کیا ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے جواب میں مذکورہ آیت ۸۶، اور اس سے پہلے کی دوآیات ۸۴،۸۵ کے مطابق تحریر فرمایا کہ تخفیف عذاب سے محروم یا سخت ترین عذاب کے مستحقین کے جرائم درج ذیل بیان کئے گئے ہیں۔

۱) اپنوں کو قتل کرنا۔

۲) اپنے لوگوں کو ان کے گھروں اور بستیوں سے نکال باہر کرنا۔

۳) غلط طور پر ایک دوسرے کی مدد اور پشت پناہی کرنا۔

۴) کتاب الٰہی کے ایک حصے پر ایمان لانا اور دوسرے حصے کا انکار کرنا۔

ان ہی جرائم میں ملوث افراد کی طرف اشارہ کرکے کہا گیا ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے آخرت کے بدلے میں دنیا کی زندگی خرید لی ہے پس نہ ان پر سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ ہی ان کو مدد دی جائے گی۔

اسی طرح تخفیف عذاب کے حوالے سے تحریر فرمایا کہ جس درجے کا جرم ہوگا اسی درجے کا عذاب ہوگا جس طرح جرم میں زیادتی، عذاب میں زیادتی کو مستلزم ہے اسی طرح جرم میں کمی، عذاب میں کمی کو مستلزم ہوگی، یوں تخفیف عذاب کا تعلق تخفیف جرم سے ہوگا مگر واضح رہے کہ قرآن مجید میں کہیں بھی "تخفیف عذاب" مثبت معنی میں نہیں آیا، اس لئے عذاب الٰہی سے بچنے کیلئے جرم سے بچنا ہوگا، اس جواب میں سورہ بقرہ کی آیت ۱۶۲، ۱۶۱ سورہ ال عمران کی آیت ۸۶تا ۸۹، سورۃ النحل کی آیت ۸۵، سورۃ فاطر کی آیت ۳۶ سے استدلال کیا گیا ہے، یہ جواب سہ ماہی التفسیر کراچی کے شمارہ جنوری تا مارچ ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا ہے۔

اہل کتاب کے مؤمنین سے مراد کون لوگ ہیں:

سورۃ آل عمران کی آیت ۱۱۰، اور ۱۹۹ کے حوالے سے۔ ۔ ۔ ۔ کمال احمد کا سوال تھا کہ اہل کتاب کے مؤمنین سے مراد یہودی ہیں یا عیسائی؟ یا دونوں؟

ڈاکٹر نے اپنے جواب میں ال عمران کی مذکورہ آیت کے بعد والی دوآیتوں سے

استدلال کرتے ہوئے اور ان میں بیان کئے گئے امور کو تحریر کرکے لکھا ہے کہ ال عمران کی آیت ۱۱۰ میں جن اہل کتاب کو مؤمنین کہا گیا ہے ان سے مراد یہود ہیں جبکہ اسی سورۃ کی آیت ۱۹۹ میں اہل کتاب کے مؤمنوں سے مراد یہود ونصاریٰ دونوں ہیں، اس آیت میں وما انزل علیکم سے قرآن مجید جبکہ وما انزل الیھم سے مراد غیر تحریف شدہ توریت وانجیل ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اہل کتاب نے توریت وانجیل میں نہ تحریف کی تھی نہ پیشگوئیوں کو چھپایا اور نہ احکام کو بدلا تھا اور یہی بات ان کے ایمان کا ذریعہ بنی، گویا توریت وانجیل کے وہ احکام وپیش گوئیاں جن سے آنحضرت ﷺ کی نبوت ورسالت کا اثبات ہوتا تھا ان کو جاننے اور ماننے کا نتیجہ قرآن مجید کو جاننے اور ماننے کی صورت میں ظاہر ہوا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے انؐ کے اخلاص ایمان کو نمایاں کیا ہے یہ جواب سہ ماہی التفسیر کراچی کے شمارہ جولائی تا ستمبر ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا ہے۔

لوطی نہیں، سدوی:

کراچی سے سید عاطف علی کا سوال تھا کہ اغلام باز کو لوطی کہا جاتا ہے، کیا حضرت لوط علیہ السلام کے ماننے والے لوگ اسی معنی میں لوطی تھے؟ اس بارے میں صحیح کیا اور غلط کیا ہے؟

ڈاکٹر صاحب کے تفصیلی جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ تقریباً تمام ہی اردو لغت میں لفظ "لوطی" کے یہی معنی لکھے گئے ہیں، ہمارے نزدیک اس معنی کی حضرت لوط علیہ السلام کی طرف نسبت صحیح نہیں ہے بلکہ ایسا کرنا پیغمبر خدا کی توہین وبے ادبی ہے، حضرت لوط علیہ السلام کے مطیع وفرمانبرداروں اور مؤمنین کو بلاشبہ لوطی کہا جاسکتا ہے مگر ہم جنس پرست نابکاروں کو جو غضب الٰہی کا شکار ہوئے تھے ہرگز لوطی نہیں کہا جاسکتا، مزید یہ کہ یہ لفظ بطور گالی کے تصور کیا جاتا ہے اس کی نسبت کسی پیغمبر کی طرف نہیں کی جاسکتی۔

حضرت لوط علیہ السلام قوم سدوم کی طرف مبعوث کئے گئے تھے اور اسی قوم نے امرد پرستی کو اپنایا ہوا تھا جس کا ذکر سورۃ عنکبوت اور سورۃ اعراف میں موجود ہے ایسے امرد پرستوں کیلئے ہمیشہ لفظ "سدوی" استعمال کیا جائے، نیز اردو زبان میں لفظ لوطی جس معنی میں استعمال

کیاجاتا ہے انگریزی میں اسے Sodomite یعنی سدومی ہی کہاجاتا ہے اور فعل لواطت کو Sodomy کہتے ہیں، یہ جواب بھی سہ ماہی مجلّہ التفسیر کراچی کے شارہ جولائی تا ستمبر ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا ہے۔

مذہبی اجتماعات میں خواتین کی شرکت:

ڈاکٹر محمد نصر اللہ (گلشن حدید) کراچی کا سوال تھا کہ کیا خواتین جمعہ، عیدین، تراویح یا دیگر مذہبی تقریبات میں اصلاح احوال وتربیت کے لئے شرعی حدود کی پاسداری اور پردے کے اہتمام کے ساتھ شریک ہوسکتی ہیں؟

ڈاکٹر صاحب نے اس کے جواب میں سورۃ انعام کی آیت ۹۴، سورۃ توبہ کی آیت ۶۱ کے علاوہ مسلم شریف کی دواحادیث، بخاری اور مسند بزاز کی ایک ایک حدیث سے استدلال کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ اگر مردوں اور عورتوں کا مرکز عبادت وتہذیب اور محور تعلیم وتربیت یکساں ہو یا یکساں مقام سے ہوتو ہم فکری وہم خیالی کی صورت میں مثبت رویے پروان چڑھیں گے اس لئے اسلام نے عورتوں کو مسجدوں اور تربیتی پروگراموں میں شرکت سے قطعاً منع نہیں کیا بلکہ عیدین کی نمازوں کے لئے تو رسول اکرم ﷺ نے خواتین کو عیدگاہوں میں آنے کی خصوصی تاکید فرمائی تھی، لہٰذا فی زمانہ بھی انہیں عبادت وتربیت کے لئے شرعی حدود کی پابندی کے ساتھ عبادت کرنے، تربیت حاصل کرنے اور علم سیکھنے کی اجازت ہونی چاہئے اور مسجدوں میں خواتین کی آمد یقینی بنانے اور ان کے تحفظ کے لئے درج ذیل اقدامات ضروری ہیں۔

۱۔ خواتین اپنے محرموں کے ساتھ شریک ہوں۔
۲۔ شرعی حدود کی پاسداری کو مقدم رکھیں۔
۳۔ میک اپ، خوشبو، بھڑ کیلے لباس سے پرہیز ہو۔
۴۔ مسجدوں میں داخلے کیلئے مردوں اور عورتوں کے دروازے الگ الگ ہوں۔
۵۔ ایک منزلہ مساجد میں دورِ رسالت کی طرح خواتین پچھلی صفوں میں اپنی جگہ

بنائیں۔
۶۔ دو، تین منزلہ مساجد میں ایک منزل خواتین کیلئے مخصوص کردی جائے۔
۷۔ کھلے میدانوں اور عیدگاہوں میں خواتین کیلئے مردوں سے الگ حصے مخصوص کردیئے جائیں۔

غرض کہ اس طرح منفی اثرات ودیگر خطرات کی امکانی صورتیں مسدود رہیں گی، دونوں فریقوں میں اعتماد کی فضاء قائم رہیگی جبکہ خواتین کے حوصلے اور اعتماد میں اضافہ ہوگا، یہ جواب سہ ماہی مجلّہ التفسیر کراچی کے شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا۔

حلیم اللہ کا صفاتی نام یا ایک طعام؟

کراچی سے عنبرین اقبال کا سوال تھا کہ محرم میں پکنے والے ایک خاص پکوان کو حلیم کہاجاتا ہے، نیز اسے کھچڑا بھی کہاجاتا ہے، حلیم اللہ تعالیٰ کا ایک صفاتی نام ہے، کیا اس پکوان کو حلیم کہنا درست ہے؟

جواب میں ڈاکٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے دیگر صفاتی اسماءِ مقدسہ کی طرح اسم حلیم بھی مقدس وبابرکت ہے، اللہ تعالیٰ کا یہ صفاتی نام قرآن مجید میں ۸ مرتبہ آیا ہے جبکہ دومرتبہ حضرت ابراہیم کو اور ایک ایک مرتبہ حضرت اسماعیل وحضرت شعیب علیہم السلام کو اس صفت سے متصف کیا گیا ہے۔

اردو لغت میں کچھوے کو حلیم کہا گیا ہے، اسی طرح سالے کے طور پر استعمال ہونے والے ایک پودے کا نام بھی حلیم ہے، اسے چیز بھی کہتے ہیں، اور ایک موٹے جانور کو بھی کہتے ہیں، جبکہ عربی لغت کے اعتبار سے یہ لفظ ''حلم'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے ''نفس پر ایسا کنٹرول ہونا جو اسے غصہ میں آپے سے باہر نہ آنے دے (مفردات) نیز حلیم کا معنی الصبور بھی ہے، جس کا مطلب ہے کہ نافرمانوں کی نافرمانی اسے ہلکا نہیں بناتی اور نہ ہی نافرمانوں کا غضب اسے آپے سے باہر کرتا ہے (لسان العرب) اردو لغت کے تمام معانی غیر صحیح ہیں، البتہ

اردو میں حلیم کا معنی بردبار صحیح ہے اس لئے مذکورہ طعام کو حلیم کہنا بے ادبی ہے، اس کا اصل نام کھچڑا ہے اور اسی نام کو ہی رواج دینا چاہئے، یہ جواب بھی سہ ماہی التفسیر کے شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء میں شائع ہوا ہے۔

عدالتی تنسیخ نکاح کی شرعی حیثیت:

کراچی سے م۔ش نے اپنی بیٹی کے حوالے سے یہ سوال بھیجا تھا کہ عدالت نے چھ ماہ کی کاروائی کے بعد تنسیخ نکاح کا حکم جاری کردیا تھا، مگر لڑکا اس فیصلے کو تسلیم نہیں کرتا اور خود کو شوہر باور کرانے پر اصرار کررہا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اس کا تفصیلی جواب تحریر فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عدالت کے فیصلے کے بعد فریقین ایک دوسرے کیلئے اجنبی ہوچکے ہیں، تنسیخ نکاح کے حکم پر مشتمل مسلم عدالت کا فیصلہ قرآن وسنت کے عین مطابق نافذ العمل ہے، عدالت فریقین کو یکساں نوٹس جاری کرتی ہے، شوہر عموماً عدالتی نوٹس کی نہ تعمیل کرتے ہیں نہ حاضر ہوتے ہیں، پھر عدالت معاملے کی تحقیق کے بعد جو فیصلہ کرتی ہے اسے یک طرفہ نہیں کہا جاسکتا، یک طرفہ فیصلہ تب ہوتا جب عدالت فریق ثانی کو نوٹس جاری نہ کرتی۔

سورۃ بقرۃ کی آیت نمبر ۲۲۹ میں خلع کا قانون بھی بیان کیا گیا ہے اور قاضی کے اختیارات بھی بتائے گئے ہیں جب زوجین کا نزاعی معاملہ عدالت میں پہنچ گیا تو پھر یقیناً فیصلہ بھی حتمی اور قطعی ہوگا، یہ تب ممکن ہے جب عدالت یا ثالث کو مجاز تسلیم کیا جائے، اگر جج کو فقط سماعت کا اختیار ہو اور فیصلے کا اختیار نہ ہو تو سماعت بے فائدہ ہے اور وہاں جانا بھی بے سود ہوگا، ڈاکٹر صاحب نے اپنی تائید میں جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری کی تفسیر سے سورۃ بقرہ کی مذکورہ آیت کے تحت یہ پیراگراف بھی نقل کیا ہے "عورت حاکم وقت کے پاس خلع کا مطالبہ کرے اور حاکم پہلے ان کی مصالحت کی کوشش کرے گا اگر کامیابی نہ ہو تو خاوند نے عورت کو مہر میں جو کچھ دیا تھا حاکم اسے لے کر خاوند کو واپس کردے اور ان کے درمیان تفریق کردے" بہرحال عدالت کا فیصلہ

نافذ العمل ہے ہمیں اپنی عدالتوں کے فیصلوں کا احترام کرنا چاہئے ورنہ عدالتوں کا شرعی، اخلاقی اور قانونی وجود باطل ہوکر رہ جائیگا، یہ جواب سہ ماہی التفسیر کے شمارہ جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ء میں شائع ہوا تھا۔

نوٹ:

اس موضوع پر ڈاکٹر صاحب نے الگ سے ۱۰ صفحات پر مشتمل بعنوان "خلع اور فسخ نکاح میں عدالت کا کردار" ایک مضمون بھی لکھا تھا جو سہ ماہی التفسیر کراچی کے شمارہ جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء میں شائع ہوا تھا۔

فرقان کیا ہے؟

کراچی سے ن ج جیم کا سوال تھا کہ سورۃ انفال میں ہے "تقویٰ اختیار کرو تو اللہ تمہیں فرقان عطا فرمائے گا" کیا یہ صرف عطیۂ ربانی ہے یا یہ عطیۂ انسانی ارتقاء ہے؟ کیا اس کا تعلق علم، سائنس، ذہن انسانی کے ارتقاء وایجادات سے نہیں ہے؟

ڈاکٹر صاحب نے متعدد قرآنی آیات سے اس کا تفصیلی جواب دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ آیت میں یجعل لکم فرقانا کے الفاظ سے معلوم ہورہا ہے کہ یہاں "فرقان" خارج میں موجود کسی شے کا نام نہیں ہے بلکہ تقویٰ اللہ کے نتیجے میں ظاہر ہونے والی شے کو ہی فرقان کہا گیا ہے یعنی قانون الٰہی کی پیروی میں ملنے والے صلہ وجزا کا نام ہے۔

سورۃ بقرہ کی آیت ۵۳ کہ جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب اور فرقان عطا کئے جانے کا ذکر ہے اگر الکتاب والفرقان" میں حرف "واؤ" کو تفسیری تسلیم کیا جائے تو پھر ایک ہی حقیقت کے دونام ہونگے یعنی فرقان بھی وہی کتاب ہی ہوگی اور اگر "واؤ" کو عاطفہ مانا جائے تو پھر دو الگ الگ حقیقتوں کے الگ الگ نام ہونگے، یعنی جس طرح کتاب خارج میں موجود ایک حقیقت کا نام ہے اسی طرح فرقان بھی خارج میں موجود ایک حقیقت کا نام ہوگا، ڈاکٹر صاحب کی تحقیق کے مطابق یہاں فرقان کے لفظ میں موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا بیان ہے۔

اسی سورۃ بقرۃ کی آیت ۱۸۵ کہ جس میں ماہ رمضان میں نزول قرآن کا ذکر ہے اس میں ھدی للناس و بینات من الھدی والفرقان کے الفاظ آئے ہیں، ایک تفسیر کے مطابق

ازروئے علم نحو پہلے دونوں جملے قرآن کا حال ہیں، جبکہ الفرقان بھی ''من'' کے تحت اور ''الھدیٰ'' پر معطوف ہے اس لئے یہ بھی قرآن کا حال ہے یعنی تینوں جملے لفظ قرآن کا حال ہیں، جبکہ دوسری تفسیر میں مذکورہ یہ تینوں جملے شھر رمضان کی خبر ہیں لہٰذا یہاں فرقان کا لفظ یا تو قرآن کے لئے ہے یا ماہ رمضان کے لئے، بہرحال دونوں تفسیروں میں ''فرقان'' خارج میں موجود شے کا نام ہے۔

اسی طرح سورۃ ال عمران کی آیت نمبر ۳، جس میں حضور اکرم ﷺ پر سراسر حق ومصدق کتاب نازل کرنے کا ذکر ہے اور قبل ازیں توریت وانجیل کے نزول کا بھی ذکر ہے تو ساتھ ہی انزل الفرقان بھی مذکور ہے، یہاں ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ ایک حال کے مطابق لفظ فرقان، کتاب کے وصف کو بیان کرتا ہے یعنی یہ قرآن کا صفاتی نام ہے، نیز اس لفظ سے توریت وانجیل کے محرف ہونے کو بھی واضح کردیا گیا ہے، جبکہ دوسرے حال کے مطابق فرقان کا لفظ حضور نبی کریم ﷺ کے نشانات نبوت کے طور پر آیا ہے، بہرحال دونوں حالات میں ''فرقان'' خارج میں موجود شے کو کہا گیا ہے۔

انفال کی آیت ۴۱ میں غزوہ بدر کے دن کو یوم الفرقان کہا گیا ہے، سورۃ الانبیاء میں حضرت موسیٰ وہارون کو فرقان اور ضیا دیئے جانے کا ذکر ہے، یہاں موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی وحی کو فرقان اور ہارون پر نازل ہونے والی وحی کو ضیاء فرمایا گیا ہے، اسی طرح سورہ فرقان کی آیت نمبر ۱ میں نزل الفرقان علی عبدہ میں فرقان، قرآن مجید کو کہا گیا ہے، غرض کہ لفظ ''فرقان'' پورے قرآن مجید میں خارج میں موجود کسی نہ کسی حقیقت کے اظہار کے مختلف اسماء گرامی کے طور پر آیا ہے، اس جواب کی مزید تفصیل سہ ماہی مجلہ التفسیر کے شمارہ جولائی تا ستمبر ۲۰۰۵ء میں دیکھی جاسکتی ہے۔

کیا چاند گرہن کا وقت منحوس گھڑی ہے؟

یہ سوال دبئی سے شہزاد ندیم نے کیا تھا جس کے جواب میں ڈاکٹر صاحب کی تفصیلی تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ سورج اور چاند دونوں قانون فطرت کے قاعدوں اور ضابطوں میں ایسے جکڑے

ہوئے ہیں کہ اس سے سرمو انحراف کر ہی نہیں سکتے، اس طرح گرہن، آفتاب و ماہتاب کے مجبور ومقہور اور مخلوق ہونے کی ایک نشانی بن جاتے ہیں اسی طرح یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ مجبور، مقہور اور مخلوق کبھی لائق پرستش نہیں ہوسکتے، سورۃ رحمٰن کی آیت ۵ کے مطابق سورج اور چاند ایک حساب سے محوگردش ہیں جبکہ سورۃ بقرہ کی آیت ۱۸۹ میں چاند کے بڑھنے اور گھٹنے کا سبب لوگوں کیلئے اوقات کی تعیین بتایا گیا ہے، مطلب یہ کہ لوگوں اور قوموں کی قسمتوں کے بننے اور بگڑنے کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے، لہٰذا اس کی نحوست کا تصور یا منحوس ہونے کا عقیدہ، خواہ وہ (یعنی چاند) کسی بھی حال میں ہو، ابتدائی عشرے میں ہو یا دوسرے عشرے میں گرہن ہو یا ایام بیض میں ہو بہرحال سراسر غیر اسلامی وغیر قرآنی تصور وعقیدہ ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنی تائید میں حضرت ابن عباس، حضرت ام المؤمنین بی بی عائشہ صدیقہ اور حضرت ابوموسیٰ سے الگ الگ تین احادیث نقل کرنے کے بعد سنن نسائی سے یہ روایت بھی نقل کی ہے جو حضرت نعمان بن بشیر سے مروی ہے، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زمانہ جاہلیت کے لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ سورج اور چاند اس وقت گرہن ہوتے ہیں جب دنیا کے سرداروں میں سے کوئی بڑا سردار فوت ہوجاتا ہے، جان لو کہ سورج اور چاند نہ تو کسی کی موت سے گرہن میں آتے ہیں اور نہ کسی کی پیدائش سے، اور یہ دونوں خدا کی مخلوقات میں سے دو مخلوق ہیں، خدا اپنی مخلوق میں جو چاہے تغیر کرے، پس ان میں سے جو گرہن میں آئے تو تم نماز پڑھو۔ اس جواب کی مزید تفصیل سہ ماہی التفسیر کے شمارہ جولائی تا ستمبر ۲۰۰۵ء میں دیکھی جاسکتی ہے۔

جبراً مسلمان بنانا:

کراچی سے ع خ ج کا سوال تھا کہ کسی کو جبراً مسلمان نہیں بنایا جاسکتا؟ اگر یہ درست ہے تو پھر سلیمان علیہ السلام کا ملکہ سبا کو پیغام بھیجنا کہ ایمان لے آؤ ورنہ ہم لشکر لے آئیں گے، اسی طرح ذوالقرنین کا ایک قوم کو پیغام کہ ایمان قبول کرلو ورنہ سزا دیں گے، کیا ان پیغمبروں نے

لوگوں کو جبراً مسلمان کیا؟

ڈاکٹر صاحب نے اس کا طویل جواب تحریر فرمایا ہے جس کی تلخیص یہ ہے کہ سورۃ نمل کی آیت ۳۰،۳۱ جو سلیمان علیہ السلام کا ملکہ سبا کے نام خط ہے اس میں ہے "اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ" کہ تم لوگ میرے خلاف سرکشی نہ کرو اور فرمانبردار ہوکر میرے پاس آجاؤ، اس سے ظاہر ہے کہ ملکہ سبا کا ارادہ حضرت سلیمان کے خلاف سرکشی اختیار کرنے کا تھا جیسا کہ اسی سورۃ نمل کی آیت ۳۳ میں ہے کہ ملکہ سبا کے مصاحبین نے کہا کہ ہم بہت طاقتور اور سخت جنگجو ہیں اور حضرت سلیمان کو بھی باوثوق ذرائع سے معلوم ہو چکا تھا کہ اہل سبا کو اپنی عسکری طاقت اور جنگی صلاحیت وقوت پر بڑا غرور ہے اس لئے ملکہ سبا کے آئے ہوئے قاصد سے فرمایا کہ ان کی طرف واپس چلا جا اور انہیں بتادے کہ ہم ضرور ان پر ایسے لشکروں کے ساتھ چڑھائی کریں گے جن کے مقابلے کی ان میں طاقت نہ ہوگی اور ہم ضرور اس شہر سے انہیں کمزور کرکے اس حال میں نکال دیں گے کہ وہ (ہمارے) محکوم ہونگے، یہی کچھ نمل کی آیت ۳۷ میں ہے۔

غرض واتونی مسلمین کا معنی یہ نہیں ہے کہ مسلمان ہوکر میرے پاس آجاؤ، یہاں مسلمین کا معنی مطیع وفرمانبردار ہے، حضرت سلیمان کا قول ان کے غرور وتکبر کا جواب تھا، حضرت سلیمان بادشاہ تھے تو اللہ کے نبی بھی تھے، کفر وشرک کی غیر جارح حکومت کو برداشت کیا جاسکتا ہے جبکہ جارح کا جواب دینا ضروری ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام کا جواب بھی اسی پس منظر کا آئینہ دار ہے اور یہ بھی واضح ہو کہ ملکہ سبا کے اسلام لانے کا ذکر سورۃ نمل کی آیت ۴۴ میں ہے۔

اسی طرح ذوالقرنین کے حوالے سے بھی سورۃ کہف کی آیت ۸۶،۸۷ اور ۸۸ سے استدلال کرکے جواب میں لکھا ہے کہ ذوالقرنین جب ایک قوم کے پاس پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا "اے ذوالقرنین، چاہو تو (اس قوم کو) سزا دو اور چاہو تو ان سے حسن سلوک کا معاملہ کرو" اسی حکم الٰہی کے تحت ذوالقرنین نے اس قوم سے کہا "جو کوئی ظلم وزیادتی کرے گا ہم اسے

سزا دیں گے پھر (جب) وہ اپنے رب کی طرف پلٹایا جائے گا تو وہ اسے بہت بڑا عذاب دے گا اور جو کوئی ایمان لاتا ہے اور اچھے عمل انجام دیتا ہے تو اس کیلئے بہت اچھا بدلہ ہے اور ہم اسے اپنے معاملہ میں سہل بات کہیں گے"

ان تینوں آیات میں سے جبری ایمان کا تصور قطعاً اخذ نہیں ہوتا، البتہ بعض حضرات نے آیت ۸۷ کے الفاظ امامن ظلم کی تفسیر ومعنی میں لکھا ہے "جو کوئی شرک کرے گا" جس سے سائل نے مذکورہ مفہوم اخذ کیا ہے، مگر یہ معنی اصول شریعت کے ہی خلاف ہے کیونکہ شریعت کے قانون کے مطابق مشرکوں کو ان کے فساد اور دہشت گردی کی وجہ سے سزا دی جاتی ہے نہ کہ ان کے شرک کی وجہ سے، بایں وجہ یہاں ظلم کا معنی شرک نہیں بنتا، نیز یہ تو آپ بھی جانتے ہیں کہ ایمان اپنے اظہار وبیان میں دل کی تصدیق چاہتا ہے جبکہ جبر کا مارا انسان دل کی تصدیق سے یکسر محروم ہوتا ہے پھر کیا ذوالقرنین کو اس فطری بات کا ادراک نہیں تھا، مزید تفصیل سہ ماہی مجلہ التفسیر کے شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

انٹرویو: نرگس سلیمان ناجی

"میری تحقیق کا مقصد قرآن کے متن اور ما حصل کو نمایاں کرنا تھا" (ڈاکٹر شکیل اوج)

جامعہ کراچی کے شعبہ اسلامک لرننگ میں اسلامیات کے پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل اوج نے جامعہ کراچی میں لیکچرر کی حیثیت سے تقرری کے بعد پی ایچ ڈی مکمل کیا، ان کی پی ایچ ڈی کا عنوان "قرآن مجید کے آٹھ منتخب اردو تراجم کا تقابلی مطالعہ" تھا۔ گزشتہ دنوں شکیل اوج صاحب سے ان کی پی ایچ ڈی اور دیگر تعلیمی سرگرمیوں کے حوالے سے گفتگو ہوئی۔ جو نذر قارئین ہے۔

ریسرچ کے لئے اس موضوع کو منتخب کرنے کی کیا وجہ تھی۔ اس سوال کے جواب میں پروفیسر شکیل اوج نے کہا کہ ابتداء ہی سے مطالعہ قرآن میرا اولین شوق رہا ہے اور میرے اس ذوق وشوق نے مجھے حافظ قرآن بنادیا یہ میری اپنی لگن اور جذبہ تھا کہ ریسرچ کے لئے بھی میں نے اس موضوع کا انتخاب کیا۔ کیا آپ کے خیال میں اس عنوان یا موضوع میں انفرادیت ہے؟ کے جواب میں ڈاکٹر شکیل نے کہا کہ ہر شخص کا اس کے شوق اور پس منظر کے حوالے سے کوئی خاص میدان یا مضمون ہوتا ہے میرا مضمون قرآن حکیم ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے ہاں قرآن مجید کے تراجم کے حوالے سے اب تک جو کام ہوا ہے وہ مترجمین میں سے کسی ایک مترجم یا مفسر کو منتخب کر کے کیا گیا ہے۔ کسی نے قرآن مجید کے متن اور اس کے مقصود ومدعا کو بنیاد نہیں بنایا۔ دراصل ہوتا یہ ہے کہ کسی پسندیدہ مترجم کو منتخب کر کے اس کے مقابلے میں دیگر مترجمین لائے جاتے ہیں پھر ان کی غلطیوں کو نمایاں کیا جاتا ہے اور یہ باور کرانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ ہمارا مفسر یا مترجم سب سے اچھا ہے۔ میں نے اس ضمن میں یہ کام کیا کہ مختلف مسالک کے آٹھ نمائندہ متراجم لئے اور انہیں تین ابواب میں تقسیم کیا، پھر ان کے مترجم کا بغور مطالعہ کیا اور یہ دیکھا کہ کس تراجم نے

قرآن کی معنویت، لغویت کو واضح کیا ہے؟ اور زبان کس قسم کی استعمال کی ہے؟ کیا آپ نے کسی مترجم پر تنقید بھی کی؟ اس سوال کے جواب میں ڈاکٹر شکیل اوج نے کہا کہ میں نے کسی بھی مترجم کے ساتھ وہ سلوک نہیں کیا جو عام طور پر کیا جاتا ہے یا تحقیق کے نام پر شخصیت پرستی کی جاتی ہے، دراصل تحقیق کا بنیادی تقاضا ہی غیر جانب داری ہے۔ تحقیق کے لئے ضروری ہے کہ تحقیق کرنے والا غیر جانب دار ہو کر تحقیق کرے تو ہی وہ کامیاب ہوسکتا ہے۔ میری تحقیق کا مقصد کسی مترجم پر تنقید یا اس کی تعریف وتوصیف کرنا نہیں بلکہ یہ تھا کہ قرآن کے متن اور اس کے ماحصل کو کس نے نمایاں کیا ہے؟ اگر اس میں کسی سے کہیں کوئی کمی یا کوتاہی ہوئی ہے تو میں نے اسے برملا بیان کردیا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ "اسلامی موضوعات پر میری متعدد تحریرات شائع ہوچکی ہیں جن میں چند ایک یہ ہیں۔ اصول تفسیر وتاریخ تفسیر، اصول حدیث وتاریخ حدیث، منہاج تحقیق، حروف قطعات اور ان کی نوعیت، کائنات کی مادی توجیح اور اسلامی معتقدات، تفہیم الاسلام اور اسلامی سائنس کے یورپ پر اثرات وغیرہ شامل ہیں۔

جامعہ کراچی کے شعبہ اسلامک لرننگ میں اپنی تقرری کے حوالے سے بات کرتے ہوئے ڈاکٹر شکیل اوج نے کہا کہ ۱۹۹۵ء میں، میں نے لیکچرر شپ کے لئے اپلائی کیا تھا اس وقت اسٹھ امیدواروں میں سے صرف تین امیدوار منتخب ہوئے جن میں ایک میری تقرری تھی۔ فروری ۱۹۹۵ء میں میری اس شعبے میں تقرری بطور لیکچرر ہوئی۔ اس سے قبل ڈاکٹر شکیل اوج وفاقی گورنمنٹ اردو کالج کے شعبہ اسلامیات میں آٹھ سال تک لیکچرار کے فرائض انجام دیتے رہے اور اب گذشتہ ڈھائی سال سے جامعہ کراچی میں بطور اسسٹنٹ پروفیسر کام کررہے ہیں یہاں تقرری کے بعد وہ پانچ ملکی اور بین الاقوامی کانفرنسوں میں مقالہ نگار کی حیثیت سے شرکت کرچکے ہیں۔

کیا طالب علموں میں اسلامی تعلیمات کا رجحان بڑھ رہا ہے؟ اس سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ آج کی نوجوان نسل میں اسلامی تعلیمات کا رجحان تیزی سے فروغ پارہا ہے یہی وجہ ہے کہ اس سال جامعہ کراچی کے شعبہ اسلامک لرننگ میں داخلوں کی نشستوں میں اضافہ کیا گیا اور

گذشتہ سال کی نسبت اس سال یہاں زیادہ داخلے دیئے گئے۔ جن میں اکثریت طالبات کی ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ فیکلٹی آف اسلامک اسٹیڈیز میں مزید نئے شعبوں کی گنجائش موجود ہے۔ شعبہ قرآن وسنت اور شعبہ اصول الدین تو قائم ہوچکے ہیں البتہ ایک شعبہ معاصر مسلم دنیا کے نام سے بھی قائم ہونا چاہئے۔

ڈاکٹر شکیل اوج نے اپنی تحقیق کے حوالے سے بات کرتے ہوئے کہا کہ میں نے اپنے تحقیقی مقالے کے لئے جن مشاہیر کے ترجموں کو منتخب کیا ہے۔ ان میں مولانا محمود حسن دیوبندی، مولانا احمد رضا خان بریلوی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا پیر محمد کرم شاہ الازہری اور مولانا ابومنصور شامل ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ ان مترجمین کا منتخب آیات کے حوالے سے جائزہ لیا گیا ہے اور قرآنی محاسن اجاگر کرنے میں کسی مترجم کی عقیدت کو حقیقت کی راہ میں حائل نہیں ہونے دیا گیا۔ عصر حاضر میں اس طرح کی تحقیقی کام کی ضرورت واہمیت ایک مسلمہ حقیقت تھی اور ہے جسے کسی بھی طور پر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

اپنی ابتدائی تعلیم کے حوالے سے بات کرتے ہوئے ڈاکٹر شکیل اوج نے کہا کہ میں نے ۱۹۷۷ء میں میٹرک ٹیکنیکل ہائی اسکول سے کرنے کے بعد ۱۹۷۹ء میں انٹر اور ۱۹۸۲ء میں بی اے علامہ اقبال گورنمنٹ کالج سے کیا۔ وفاقی گورنمنٹ اردو آرٹس کالج سے ایم اے میں فرسٹ کلاس فرسٹ پوزیشن لی۔ چودہ سال کی عمر سے میں نے قرآن پاک حفظ کرنا شروع کیا اور میٹرک کرنے سے پہلے میں قرآن پاک حفظ کرچکا تھا۔ اس کے علاوہ میں نے مختلف موضوعات پر پچاس سے زائد علمی مضامین اور تحقیقی مقالے بھی لکھے۔

(بشکریہ روزنامہ جنگ کراچی، ۳۰، جون ۲۰۰۰ء)

انٹرویو: یاسر رضوی

انداز جہاں بانی

مدارس اور جامعات کا مذہبی نصاب عصر حاضر کے مطابق نہیں

قرآن سمجھنے کیلئے عربی زبان ہی اہم ہے، تراجم کی بنیاد پر بحث ہماری بدقسمتی ہے۔

اجتہاد کے عمل کو جاری رہنا چاہئے۔ (پروفیسر ڈاکٹر شکیل اُوج)

ڈاکٹر محمد شکیل اوج جامعہ کراچی میں کلیہ معارف اسلامیہ کے پروفیسر ہیں۔ تحقیق کے میدان میں ڈاکٹر شکیل اوج نے اپنا منفرد مقام بنایا ہے۔ قرآن کریم کے تراجم کے تقابلی مطالعے کے حوالے سے آپ نے نہ صرف اپنی ڈاکٹریٹ مکمل کی، بلکہ صحافت، اسلامک اسٹڈیز اور قانون کی بھی اعلیٰ اسناد کے حامل ہیں۔ اسلامی نظریاتی کونسل کے تحقیقی مجلہ اجتہاد کے ایڈیٹوریل بورڈ کے رکن جبکہ سہ ماہی التفسیر جو معروف تحقیقی مجلہ ہے، کے مدیر بھی ہیں۔ قرآنی علوم واحکامات پر ڈاکٹر شکیل اوج کا اپنا ایک الگ انداز فکر ہے، مختلف نجی ٹیلی ویژن چینلز پر آپ کے متعدد پروگرامز کا سلسلہ جاری ہے۔ گذشتہ دنوں ان سے تحقیق قرآنی اور طرز معاشرت پر گفتگو ہوئی جو نذر قارئین ہے۔

☆ ڈاکٹر صاحب یہ بتائیں کہ قرآن کے بیشتر تراجم آپ کی نگاہ سے گزرے، کیا بنیادی فرق محسوس کیا آپ نے؟

دیکھیں! اپنی ڈاکٹریٹ کے دوران اور اس کے بعد کم وبیش دوصدیوں میں ہونے والے تراجم وحواشی میری نگاہ سے گزرے اور یقین جانئے یہ قرآن کا اعجاز ہے کہ ہر ترجمہ دوسرے سے صرف الفاظ وانداز تحریر کے حوالے سے ضرور مختلف ہے لیکن قرآن جو عربی زبان میں ہے، زبان اور اس کی اسی خصوصیت کا ذکر بھی خود قرآن میں موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

ہم نے قرآن کو عربی میں نازل کیا، تو یہ اس بات کا بین اظہار ہے کہ قرآن کو سمجھنے کیلئے عربی سے زیادہ کوئی اہم زبان نہیں ہوسکتی، اس زبان کا یہ کمال ہے کہ اس کے ایک ایک لفظ کے متعدد معنی ہیں، تراجم کا آپ نے ذکر کیا تو ہر مترجم نے قرآن کا ترجمہ اپنی سمجھ، عقل اور فہم کی بنیاد پر کیا، بس اتنا فرق واضح ہے کہ کہیں کسی مترجم نے ایک مقام پر عربی عبارت جو کلام الٰہی ہے، اس کے حسن کو اپنی فہم وفراست کی بنیاد پر بہت خوبصورتی سے اردو یا کسی بھی زبان میں سمودیا ہے، حتمی طور پر نہ تو کسی مترجم نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کا ترجمہ مکمل ترجمانی قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی ایسا ممکن ہے۔

☆ ڈاکٹر صاحب قرآن کے تراجم کی بنیاد پر عقائد کا عمل دخل کتنا رہا ہے، برصغیر میں یہ بڑا واضح محسوس ہوتا ہے؟

جی ایسا ہوا ہے، ہر مترجم نے جہاں اپنی عقل، فہم وفراست کی بنیاد پر ترجمہ کیا ہے، وہیں ساتھ ساتھ اس کی عربی دانی، اس کے رجحانات، میلانات، عقائد اور اس کے نظریات بھی اثر انداز ہوئے ہیں اور اسی بنیاد پر مسلکی وگروہی تفریق واضح ہوئی ہے، کسی مترجم نے صرف لفظی معنی پر اکتفا کیا، کسی نے مرادی معنی لئے اور کسی نے مسلک ومکتب کو سامنے رکھ کر ترجمہ کیا، لہٰذا یہ کہنا درست ہے کہ عقائد کا اثر بھی ہوا ہے۔

☆ ڈاکٹر صاحب اگر ہم یہ کہیں کہ عربی زبان سے ناواقف مترجمین کا ترجمہ مستند نہیں قرار دیا جاسکتا ہے تو اس میں کس حد تک صداقت ہوگی؟

دیکھیں! یہ بڑی اہم بات ہے۔ اصولی بات تو یہی ہے کہ اگر کوئی عربی زبان کے قواعد سے واقف نہیں، وہ عربی پر دسترس نہ رکھتا ہو تو یقیناً اس کا ترجمہ زیادہ قابل قبول نہیں قرار دیا جاسکے گا اور ہماری بدقسمتی بھی یہی رہی ہے کہ اب ہم تمام معاملات پر صرف تراجم کی بنیاد پر بحث کرتے ہیں، عربی سے ناواقفیت کی بنیاد پر آج جتنی تشریح وتوضیح ہورہی ہے اس کا ماخذ اصل آیت نہیں بلکہ اس کا ترجمہ ہے، نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہم قرآن سے دور ہوگئے اور دیگر تراجم وتصانیف سے

ڈاکٹر شکیل اوج کی علمی و دینی خدمات

قریب ہوگئے ہیں۔ اگر ہم غور کریں تو عربی کے مقابلے میں عجمیوں کی تعداد کتنی زیادہ ہے، اللہ تعالیٰ چاہتا تو اُسے کسی دوسری زبان میں نازل فرمادیتا مگر عربی میں اتارنے کا سبب یہی ظاہر ہوا کہ عربی زبان کو دنیا کی دیگر زبانوں پر یہ کمال حاصل ہے کہ کسی بھی زبان کے استعمال اور اس کے قواعد میں وقت وحالات کے ساتھ تبدیلی اور ارتقاء کا عمل ظہور پذیر ہوتا رہتا ہے، لیکن عربی وہ زبان ہے کہ جو بغیر کسی تبدیلی وترمیم کے ارتقائی مراحل طے کرتی ہے، گویا دوسرے معنی میں یہ پرانی یا متروک نہیں ہوتی مکمل طور پر ترقی کرتی رہتی ہے، اس میں اس قدر وسعت، گہرائی اور ہمہ گیریت ہے کہ اس زبان نے ہر دور کو اپنے اندر سمولیا ہے اور یہی قرآن کا اعجاز ہے کہ وہ کبھی پرانا نہیں ہوگا، کبھی اس کی آیات سے یہ نہیں لگے گا کہ آج کے حالات سے متصادم ہیں یا ناموافق ہیں، بس فرق یہ ہے کہ ہم اب قرآن کو عربی کم مذہبی بنیاد پر زیادہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

☆ اجتہاد کے حوالے سے آپ کیا کہتے ہیں؟

دیکھیں! اجتہاد ایک مسلسل عمل ہے، اس عمل کو روکنا نہیں چاہئے یہ کسی وقتی ضرورت، مصلحت یا مفاد کے تابع نہیں ہوسکتا۔ اجتہاد ہر دور میں ہوا ہے۔ آج بدقسمتی سے اجتہاد کے حوالے سے ایک رائے یہ ہے کہ اجتہاد نہیں ہوسکتا یا اجتہاد ماضی میں نہیں ہوا تو اب کیسے ہوسکتا ہے۔ یہ لاعلمی کی وجہ سے ہے، اجتہاد عہد رسالت ﷺ سے ثابت ہے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ جو جلیل القدر صحابی تھے، انہیں آپ ﷺ نے یمن کا قاضی مقرر فرمایا۔ روانگی سے قبل آپ ﷺ نے پوچھا کہ فیصلے کیسے کروگے؟ انہوں نے فرمایا کہ قرآن کی مدد سے۔ آپ ﷺ نے پوچھا اگر قرآن میں حل نہ پاؤ تو؟ انہوں نے عرض کیا حدیث مبارکہ سے۔ فرمایا اگر حکم حدیث میں بھی نہ پاؤ تو؟ انہوں نے عرض کیا حدیث مبارکہ سے۔ فرمایا اگر حکم حدیث میں بھی نہ پاؤ تو؟ انہوں نے کہا کہ اجتہاد کروں گا۔ اس پر آپ ﷺ نے ان کی تحسین فرمائی۔ اسی طرح احادیث میں بھی اجتہاد کے حوالے سے ذکر ملتا ہے، لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ آج کئی اہم معاملات پر اجتہاد ہونا چاہئے۔

☆ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ یہود ونصاریٰ سے تعلقات کے حوالے سے قرآن کی واضح

ہدایات کی روشنی میں ہمیں اس پر مزید بات کرنی ہوگی یا ہمیں کوئی نئے پیمانے منتخب کرنے ہوں گے؟

دیکھیں! یہ سمجھنے کی بات ہے کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے ہم اور آپ اس پر یقین کامل رکھتے ہیں، مسئلہ صرف اتنا ہے کہ اس کی تشریح وتعبیر ہم جس انداز میں کرتے ہیں اس کو آپ حتمی معیار نہیں قرار دے سکتے۔ قرآن کی ہر آیت، ہر لفظ، ہر نقطہ حتمی، ناقابل تردید اور ناقابل ترمیم ہے، یہ ہمارا ایمان ہے مگر اس کے معنی ومطالب، تشریحات وتوضیحات حتمی نہیں ہیں۔ قرآن ہر دور کیلئے ہے، اس کا ترجمہ ہر مترجم نے اپنے اپنے دور کے حساب سے کیا، آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ جو ترجمہ کیا گیا ہے وہ ٹھیک ٹھیک عربی کے تمام معانی ومطالب کا احاطہ کرتا ہے۔ آپ کو یقین نہیں آئے گا کہ کئی ایسے مفسرین ومترجمین گزرے ہیں کہ انہوں نے ترجمہ وتفسیر لکھتے ہوئے حاشیے میں اس کا اعتراف کیا کہ ان کی عقل وفہم ایک حد تک ہی قرآن سمجھ سکی ہے، وہ اعتراف کرتے ہیں کہ قرآن کے ترجمے کا وہ حق جو ادا کیا جانا چاہئے وہ ادا نہیں ہوسکا اور ایسا اس لئے ہے کہ اس اللہ کی کتاب کا یہ معجزہ ہے کہ ہر دور میں اس کی اہمیت اور افادیت بڑھ رہی ہے، ہر قانون، ہر نظریہ اپنے اپنے دور میں تبدیل ہوتا رہا ہے، اس میں ترمیم، تبدیلی اور اضافے کی ضرورت محسوس ہوئی لیکن قرآن وہ واحد کلام ہے کہ آج تک اس میں کسی کو کمی محسوس نہیں ہوئی، کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ آیت اب ترمیم یا تبدیلی مانگتی ہے، لہٰذا اگر ہم صرف ترجمے کی بات کریں گے تو یہود ونصاریٰ سے تعلق کے حوالے سے جو تراجم ہوئے، وہ یقیناً اپنی جگہ درست ہیں مگر اب ارتداد کے مسئلے کو لے لیں۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ آج ایسا ممکن ہے کہ ایک مسلمان اگر اپنے اعمال، مسلمانوں کی حالت زار یا کسی بھی سبب سے اپنے مذہب سے مطمئن نہ ہو اور وہ اپنا دین چھوڑ کر کوئی اور دین قبول کرنا چاہے تو آپ اسے آسانی سے قتل کردیں گے۔ ہم اس کی تشریح یہی کرتے ہیں کہ مرتد واجب القتل ہے مگر آپ ایک بار ہی ایسا کرسکیں گے، اقوام عالم انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے نام پر آپ کا ناطقہ بند کردیں گی۔ آپ پر جنگ مسلط ہوجائے گی اور

اس طرح اسلام کو ایک انتہا پسند، انسانیت دشمن اور نہ جانے کیا کیا الزامات لگا کر بدنام کیا جائے گا، لہٰذا اب مسئلہ یہ ہے کہ ارتداد جیسے معاملات کو سمجھنے اور ان پر ازسرنو غوروفکر کی ضرورت ہے۔ قرآن نے جگہ جگہ غوروفکر کی بات کی ہے، ہمارا آج کا سکہ بند مولوی چاہتا ہے کہ وہ سوچ، فکر اور تدبر کی کسی نئی راہ پر گامزن نہ ہو، چند مخصوص عقائد ونظریات جو ان کے بزرگوں نے بیان کردیئے قوم اس سے آگے نہ بڑھے، ایسی صورتحال میں ہم بندگلی میں کھڑے ہوئے ہیں، اس حوالے سے اجتہاد کا راستہ بچتا ہے۔ قرآن وحدیث پر غوروفکر کے بعد آج کے حالات، آج کے ماحول میں اسلام کی ترقی کیلئے ہمیں بندگلی سے نکلنا ہوگا۔ اسلامی نظریاتی کونسل جیسے ادارے ہمارے لئے مشعل راہ ہیں، جید علماء، مفکرین، ریسرچ اسکالرز، علماء اور مفتیان عظام بیٹھ کر متفقہ رائے قائم کرتے ہیں اور یہی وہ حل ہے کہ جو ہمیں بندگلی سے نکالے گا۔

☆ مدارس اور مولوی کے کردار سے آپ مطمئن نظر نہیں آتے وجہ؟

دیکھئے مدارس ہی کیا آج ہماری جامعات میں بھی مذہبی حوالے سے جو نصاب رائج ہے وہ عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق نہیں ہے، یہ نصاب ذہنوں کو بند کررہا ہے، ہمارے طالب علموں کے ذہنوں کو منجمد کیا جارہا ہے۔ مدارس یہ سمجھتے ہیں کہ جو نصاب رائج ہے وہ حتمی ہے۔ خود امام مالک اور شافعی کہا کرتے تھے کہ انہیں یقین ہے کہ جو وہ عمل کررہے ہیں وہ سوفیصد درست ہے لیکن اس کے باوجود غلطی واصلاح کا امکان موجود ہے۔ ہمارے آج کے مولوی غلطی واصلاح کے امکان کو ماننے کو تیار نہیں ہیں۔ چند مخصوص کتابیں ہیں اور اس سے زیادہ یا اس کے آگے پڑھنے پڑھانے سے اجتناب برتا جارہا ہے۔ تو ایسے میں قرآن پر تدبر اور فکر کیسے ہوگا، نئی راہیں کہاں سے نظر آئیں گی۔

☆ خواتین کے حقوق جو قرآن میں دیئے گئے ہیں اور آج جو خواتین مطالبہ کررہی ہیں، آپ سمجھتے ہیں ان میں کوئی تصادم ہے؟

دیکھئے خواتین کے حوالے سے ہمارے معاشرے میں بڑی زیادتی ہوئی ہے، ہمارا

معاشرہ مرد کا معاشرہ ہے۔ مردوں نے قرآن کے احکامات کی غلط تشریح کرتے ہوئے جبری پردے کا تصور اسلامی قرار دلوایا۔ یہ قرآن کے حکم کے خلاف ہے کہ آپ عورت کو جبری پردہ کرائیں۔ قرآن کی رو سے سورۃ النساء میں اس عورت کو گھر میں پابند رکھنے کا حکم ہے کہ جو بدکاری میں مبتلا ہوئی ہو۔ اب ہمارے مولوی نے ہر عورت پر یہ حکم صادر کروا دیا جو حکم ایک خاص حوالے سے ایک خاص تناظر میں تھا، اسے عام حالت میں کیسے نافذ کرسکتے ہیں، عورت کا چہرہ کھلا ہوگا اس کے ہاتھ و پیر کھلے ہوں گے، یہ عین اسلامی ہے لیکن ہمارے ہاں سر سے پیر تک عورت کو اس انداز میں ڈھانپ دیا گیا ہے کہ اس سے مسائل و برائیاں جنم لے رہی ہیں۔

☆ گویا آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ قرآن میں شرعی پردے کا جو تصور ہے وہ آج چہرہ، ہاتھ، پیر ڈھانپنے کے طریقے سے متصادم ہے؟

جی ہاں بالکل، دیکھیں اسلام نے حکم دیا کہ مرد اپنی نگاہ نیچی رکھیں اور یہی حکم عورت کیلئے بھی ہے، اب آپ مجھے بتائیں کہ ایک مرد اپنی نگاہ کس صورت میں نیچے رکھے گا۔ تب ہی نہ کہ جب اس کے سامنے ایک عورت کھلے چہرے کے ساتھ ہوگی۔ ایسا تو نہیں ہوسکتا کہ ایک عورت سر سے پیر تک خود کو ڈھانپ لے تو پھر یہ حکم کیسے آئے گا کہ اپنی نگاہ نیچی رکھو۔ اسی طرح عورت سے کہا گیا کہ وہ نگاہ نیچی رکھے، اس لئے کہ مرد کا چہرہ کھلا ہے، نگاہ میں حیا پیدا کرنا مقصود تھا، ہمارے مولوی نے اس کی سراسر خلاف ورزی کرتے ہوئے سارا چہرہ ہی ڈھانپ دیا۔ اس طرح کے عناصر کی وجہ سے شدت پسندی بڑھ رہی ہے۔

☆ مخلوط تقریبات اور اختلاط کے آپ قائل ہیں؟

دیکھئے اس حوالے سے ہمیں غور کرنا ہوگا کہ کل اسلامی معاشرہ کیا تھا اور آج کیا ہے، آپ بتائیں غزوات میں آپ ﷺ نے مومنات صحابیات، امہات المومنین کو ساتھ رکھا۔ آپ نے خود مختلف مقامات پر روایات واحادیث پڑھی ہوں گی کہ صحابیات جنگوں میں صحابیوں کو پانی پلایا کرتی تھیں، ان کی تیمارداری کرتی تھیں، مرہم پٹی کرتی تھیں، آپ بتائیں کیا عہد رسالت میں

خواتین نماز کی ادائیگی کیلئے کسی علیحدہ مسجد میں جاتی تھیں یا عام مسلمان بھائیوں کے ساتھ نماز پڑھتی تھیں، مسجد نبوی ﷺ میں کوئی علیحدہ جگہ نہیں تھی، حکم تھا کہ پہلے مردوں کی صف ہو، پھر عورتوں کی صف ہو، پھر بچوں کی تو بتائیں کہاں کوئی الگ صف بنی، کہاں کوئی علیحدہ جگہ بنی، تو بات یہ ہے کہ ہم نے غلط تشریحات کی ہیں اور اب ہم اس پر بضد ہیں کہ یہی اسلام ہے، مسلمان آپس میں ایک فیملی کی طرح ہیں گویا ایک جوائنٹ فیملی سسٹم ہے، تمام مومن، مومنات، مسلمین، مسلمات آپس میں بھائی بھائی اور بھائی بہن ہیں، ایک دوسرے کے رفیق و مددگار ہیں، تب تو سب مخلوط تھا، آج صورتحال اس کے یکسر خلاف ہے، ہاں حدود موجود ہیں، احتیاط بھی ہے، لیکن ایک غلط بات کو اسلام قرار دے کر اس کو ثابت کرنا یہ قابل قبول بات نہیں ہونی چاہئے۔

☆ خلع وطلاق کا مسئلہ ہمارے ہاں ہمیشہ متنازعہ رہا ہے، آپ کیا کہتے ہیں اس قدر متنازعہ ہوجانے کی وجہ کیا ہے؟

دیکھئے خلع کا حق شرعی ہے، اس معاملے میں بھی عورتوں کے حق کو غیر اسلامی طریقے سے سلب کرنے کی کوشش کی گئی ہے، قرآن نے واضح طور پر عورت کو خلع کی صورت میں مرد سے علیحدگی کا حق دیا ہے۔ سورۃ البقرۃ میں واضح موجود ہے کہ اگر عورت قاضی عدالت سے رجوع کرے گی تو اُسے مرد سے علیحدگی کا حق ملے گا مگر آج بدقسمتی سے مرد کے تین طلاقوں کے حق کو تو تسلیم کرلیا گیا ہے مگر عورت کے خلع کے شرعی حق حتیٰ کہ عدالت سے لی گئی خلع کو بھی مولوی تسلیم نہیں کرتے، لہٰذا اس حوالے سے ہمیں قرآن وحدیث کی رو سے اصلاح کرنی چاہئے۔

☆ خواتین کی ملازمت کے آپ قائل ہیں؟

جی ہاں بالکل خواتین ملازمت کرسکتی ہیں، اس میں کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ ملازمت تو دور کی بات ہے، اسلام نے خواتین کو ان کی مرضی یعنی پسند کے نکاح کا بھی حق دیا ہے، لیکن بدقسمتی یہی ہے کہ ان معاملات کو غلط تعبیر وتشریح کے ذریعے مبہم بنا دیا گیا ہے، اس پر عمل ہورہے

ہیں۔ یہ سب اسلامی نظریات اور اس کی اصل روح کے منافی ہے۔

☆ ڈاکٹر صاحب پاکستان کے موجودہ مسائل یعنی معاشرتی انحطاط اور بے راہ روی کا اصل سبب کیا ہے؟

میری دانست میں تدبر وعمل کی کمی اصل وجہ ہے، ہم نے غوروفکر چھوڑ دیا ہے۔ ہم قرآن کو صرف پڑھ رہے ہیں سمجھ نہیں رہے۔ اصل روح سے محروم ہیں۔ ہماری بدعملی، منافقت اور دوہرا معیار ہمارے مسائل کا اصل سبب ہے، اگر آج ہم قرآن کو سمجھنے کیلئے اہل فکر، اہل دانش اور اہل علم سے رجوع کریں، خود سمجھنے کی، اس پر عمل کی کوششیں کریں تو ہم کئی مسائل سے چھٹکارا حاصل کر سکتے ہیں۔

(بشکریہ روزنامہ اُمت کراچی' ۳۰ستمبر ۲۰۰۸ء)

علمی و تحقیقی مقالات و مضامین

عنوان، رسالہ / جریدہ / مجلہ، سن، صفحات

۱) "اسمائے کتب اعلیٰ حضرت کا علمی جائزہ"، معارف رضا (شمارہ ہفتم) کراچی، ۱۹۸۷ء، صفحات، ۷

۲) "اعضاء کی پیوندکاری کی شرعی حیثیت"، مقالات زیر اہتمام شعبہ فقہ و قانون، ادارہ تحقیقات اسلامی و بین الاقوامی ادارہ فکر اسلامی، اسلام آباد، جون ۱۹۹۵ء، صفحات ۱۲۔

۳) "کیا عصر حاضر میں خلافت راشدہ کا قیام ممکن ہے؟" ماہنامہ ضیائے حرم لاہور نومبر ۱۹۹۶ء

۴) "کیا جمعہ کی چھٹی اسلامی ہے؟"، ماہنامہ ضیائے حرم لاہور فروری ۱۹۹۷ء، صفحات ۶۔

۵) "ولی نکاح کی شرعی حیثیت" ماہنامہ ضیائے حرم لاہور فروری ۱۹۹۷ء، صفحات ۱۰۔

۶) "حضور نبی اکرم اور معاشی تحفظ"، ماہنامہ ضیائے حرم لاہور، جولائی ۱۹۹۷ء۔

۷) "جمعیت علماء ہند اپنے قیام سے قرارداد پاکستان تک"، ماہنامہ ضیائے حرم لاہور، اگست ۱۹۹۷ء، صفحات، ۱۶۔

۸) "غزوہ خندق اور نبی اکرم کی جنگی و سیاسی حکمت عملی (قسط اوّل)"، ماہنامہ ضیائے حرم لاہور، نومبر ۱۹۹۷ء، صفحات ۱۵۔

"غزوہ خندق اور نبی اکرم کی جنگی و سیاسی حکمت عملی (قسط دوم)"، ماہنامہ ضیائے حرم لاہور، دسمبر ۱۹۹۷ء، صفحات، ۸۔

۹) "استاد مطہری کے منتخب تفسیری معارف اور ان کا علمی جائزہ" سہ ماہی ثقلین، اسلام آباد، اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۷ء، صفحات ۲۴۔

۱۰) ''قرآن اور ختم نبوت''، ایضاً، جنوری تا مارچ، ۱۹۹۸ء، صفحات، ۱۹۔

۱۱) ''تصوف۔۔۔۔۔تلاش احسن کی ہمہ گیر تحریک''، ماہنامہ ''آگہی'' کراچی، اپریل ۲۰۰۰ء، صفحات، ۱۵۔

''تصوف۔۔۔۔۔تلاش احسن کی ہمہ گیر تحریک''، شعبہ تحقیق و اشاعت محی الدین اسلامی یونیورسٹی، (نیریاں شریف) تراڑکھل، آزاد کشمیر، مئی ۲۰۰۰ء، صفحات، ۲۱۔

۱۲) ''اظہار رائے کی آزادی کا قرآنی تصور''، ماہنامہ، آگہی، کراچی، جولائی ۲۰۰۰ء، صفحات، ۱۱۔

''اظہار رائے کی آزادی کا قرآنی تصور'' مجلہ حنفیہ عالمگیر، مجلس درس کراچی، ۲۰۰۲ء۔

۱۳) ''آنحضرت کا نکاح اور ان کی حکمتیں''، رسالہ قانون کا خصوصی مجلہ ناشر بزم جامعہ، ۲۰۰۱ء، صفحات، ۷، انوار القرآن گلشن اقبال کراچی۔

۱۴) ''محاسن معارف القرآن''، سید محمد محدث کچھوچھوی کے ترجمہ قرآن حکیم کے ساتھ بطور مقدمہ کے شائع ہوا جس میں اردو کے گیارہ تراجم کے ساتھ تقابلی جائزہ پیش کیا گیا، ۲۰۰۱ء، صفحات، ۳۴، ناشر گلوبل اسلامک مشن امریکہ زیر اہتمام ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور۔

۱۵) ''مفہوم ولایت (مختلف تراجم و تفاسیر کی روشنی میں)'' مجلہ فقہ اسلامی (کراچی)، جنوری ۲۰۰۲، صفحات، ۱۰۔

''مفہوم ولایت (مختلف تراجم و تفاسیر کی روشنی میں)'' مجلہ المیزان (اسلام آباد)، شمارہ ۱۴، صفحات، ۱۰۔

۱۶) ''حنفی اصول الفقہ (قسط اول)'' مجلہ فقہ اسلامی (کراچی)، اپریل ۲۰۰۲ء، صفحات، ۱۷۔

''حنفی اصول الفقہ (قسط دوم)'' مجلہ فقہ اسلامی (کراچی) مئی ۲۰۰۲ء، صفحات، ۲۰۔

۱۷) ''ائمہ مجتہدین کے اختلافات کی نوعیت'' مجلہ تحقیق، معاشرتی علوم، جلد ۱، شمارہ ۲، ۲۰۰۲ء، صفحات، ۸، ناشر پاکستان مجلس تحقیق برائے معاشرتی علوم۔

۱۸) ''انسان کا ذہنی ارتقاء''، دی منارت، مستقل انٹرنیشنل، جولائی ۲۰۰۳ء، صفحات، ۳۔

۱۹) ''مغفرت ذنب کا قرآنی مفہوم''، الثقافۃ الاسلامیہ مجلہ الشیخ زاید الاسلامی، کراچی، اپریل تا جون ۲۰۰۴ء، صفحات، ۱۳۔

۲۰) ''سید ابو الاعلیٰ مودودی'' مجلہ تحقیق، معاشرتی علوم، جنوری ۲۰۰۳ء تا جولائی ۲۰۰۴ء صفحات، ۱۳۔

۲۱) ''نبی اکرم ﷺ پیغمبر امن و سلامتی''، مجموعہ مقالات بعنوان سیرت نبوی کی روشنی میں مصطفائی معاشرہ کی تشکیل، (عصر حاضر کے تناظر میں خصوصی حوالے کے ساتھ) ۲۰۰۴ء، صفحات، ۲۵۔

۲۲) ''شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ (اسیر مالٹا)''، الثقافۃ الاسلامیہ۔العدد السابع ۲۰۰۵ء، صفحات، ۱۹۔

۲۳) ''اسلام کی عالم گیری اور تصور جہاد'' سہ ماہی التفسیر کراچی، جنوری تا مارچ ۲۰۰۵ء، صفحات، ۱۶۔

۲۴) ''سیرت طیبہ کی روشنی میں ایک روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرہ کی تشکیل و ضرورت''، سہ ماہی التفسیر کراچی، اپریل تا جون ۲۰۰۵ء، صفحات ۱۷۔

''سیرت طیبہ کی روشنی میں ایک روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرہ کی تشکیل و ضرورت'' مقالات سیرت، باہتمام وزارت مذہبی امور، مورخہ ۲۰۰۵ء، صفحات، ۱۴، زکوٰۃ و عشر، حکومت پاکستان

۲۵) ''مسلم اور غیر مسلم افراد اور حکومتوں کے مابین تعلقات''، سہ ماہی التفسیر کراچی، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۵ء، صفحات، ۱۲۔

۲۶) ''نیل پالش کے ساتھ وضو کے جواز کا مسئلہ''، سہ ماہی التفسیر کراچی، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۵ء، صفحات، ۱۷۔

۲۷) ''حق حضانت۔ایک قانونی و معاشرتی مسئلہ''، سہ ماہی التفسیر کراچی، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء، صفحات، ۹۔

۲۸) ''الامی کے معنی کی تحقیق اور اس کے اطلاقات''، سہ ماہی التفسیر کراچی، اکتوبر تا دسمبر

۲۰۰۵ء، صفحات ۱۲۔

۲۹) "**عذاب الٰہی اور فطری حوادث کے مابین فرق و امتیاز**" سہ ماہی التفسیر کراچی، جنوری تا مارچ ۲۰۰۶ء، صفحات ۳۰۔

۳۰) "**عورتوں کے معاشرتی مسائل**"، سہ ماہی التفسیر کراچی، جولائی تا ستمبر، ۲۰۰۶ء، صفحات ۲۲۔

"**عورتوں کے مسائل اور ان کا حل**" مجموعہ مقالات بعنوان نبی اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور تعلیمات کی روشنی میں احترام آدمیت، صفحات ۳۰، ۲۰۰۸ء، مرکز تحقیق فیصل آباد (جامعہ قادریہ رضویہ ٹرسٹ)

۳۱) "**ایڈز ــــــ قرآن کریم کی روشنی میں**"، سہ ماہی التفسیر کراچی، جولائی تا ستمبر، ۲۰۰۶ء، صفحات ۸۔

۳۲) "**تعدد ازدواج کے قرآنی دلائل**"، سہ ماہی التفسیر کراچی، جولائی تا ستمبر، ۲۰۰۶ء، صفحات ۹۔

۳۳) "**ہدایت و ضلالت میں انتخاب کی آزادی**"، سہ ماہی التفسیر کراچی، جولائی تا ستمبر، ۲۰۰۶ء، صفحات ۲۰۔

"**ہدایت و ضلالت میں انتخاب کی آزادی**"، مجلہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی، شمارہ نمبر ۸، صفحات ۲۰۔

۳۴) "**زوج اور سوت۔ دو متقابل اصطلاحیں**" سہ ماہی التفسیر کراچی، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۶ء، صفحات ۸۔

۳۵) "**قرآن و سنت کی عظمت و اتباع نہج البلاغہ کی روشنی میں**"، سہ ماہی التفسیر کراچی، ۲۰۰۶ء، صفحات ۲۰۔

۳۶) "**تفویض طلاق ــــ ایک اہم عائلی مسئلہ**"، معارف اعظم گڑھ، انڈیا، جنوری ۲۰۰۷ء،

صفحات ۲۰۔

۳۷) "**عورتوں کے کھلے چہروں کے ساتھ بیرون خانہ زندگی میں کردار**"، سہ ماہی التفسیر، کراچی، جنوری تا مارچ ۲۰۰۷ء، صفحات ۱۷۔

۳۸) "**کیا مسیار میرج جائز ہے؟**" سہ ماہی التفسیر، کراچی، جنوری تا مارچ ۲۰۰۷ء، صفحات ۳۔

۳۹) "**حج اکبر کا معنی و مفہوم**"، سہ ماہی التفسیر، کراچی، جنوری تا مارچ ۲۰۰۷ء، صفحات ۲۰۔

۴۰) "**حلالہ مروجہ اور قرآنی حلالہ کے درمیان فرق**"، معارف اعظم گڑھ، انڈیا، جون ۲۰۰۷ء، صفحات ۲۰۔

"**حلالہ مروجہ اور قرآنی حلالہ کے درمیان فرق**"، مجلہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی، شمارہ ۸۔ ۲۰۰۷ء

"**حلالہ مروجہ اور قرآنی حلالہ کے درمیان فرق**"، سہ ماہی التفسیر، کراچی، جنوری تا مارچ ۲۰۰۸ء، صفحات ۵۔

۴۱) "**خلع اور فسخ نکاح میں عدالت کا کردار**"، سہ ماہی التفسیر، کراچی، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۷ء، صفحات ۹۔

۴۲) "**حقیقت ربا اور اس کی اطلاقی نوعیت**"، سہ ماہی التفسیر، کراچی، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۷ء، صفحات ۸۔

۴۳) "**محصنین اہل کتاب سے مسلم عورتوں کا نکاح**"، سہ ماہی التفسیر، کراچی، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۷ء، صفحات ۱۰۔

۴۴) "**منہاج تحقیق (نو آموز تحقیق کاروں کے لئے)**"، سہ ماہی التفسیر، کراچی، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۷ء، صفحات ۱۸۔

۴۵) "**تفسیر مظہر القرآن، تعارف و تبصرہ۔ اجمالی مطالعہ**"، سہ ماہی التفسیر، کراچی،، جنوری تا مارچ ۲۰۰۸ء، صفحات ۱۱۔

۴۶) "مسئلہ نسخ اور شاہ ولی اللہ دہلوی" سہ ماہی التفسیر، کراچی، اپریل تا جون ۲۰۰۸ء، صفحات ۱۰۔

"مسئلہ نسخ اور شاہ ولی اللہ دہلوی" سہ ماہی سیرت طیبہ، کراچی، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۸ء، صفحات ۱۰۔

۴۷) "اسلامی ذبیحہ کیا ہے؟" سہ ماہی اجتہاد، اسلامی نظریاتی کونسل، اسلام آباد (شمارہ نمبر ۳،۴) ستمبر ۲۰۰۸ء، صفحات ۶۔

۴۸) "عرفان القرآن۔ایک نظر میں"، مجموعہ مقالات (عرفان القرآن، اہل علم و دانش کی نظر میں) فروری ۲۰۰۹ء، صفحات ۴۔

۴۹) "صاحب ضیاء القرآن، بحیثیت مفسر" مجلّہ جمال کرم، لاہور، شوال ۱۴۲۹ھ تا ربیع الاول ۱۴۳۰ھ، صفحات ۳۴۔

۵۰) "نفاذ شریعت کے قرآنی اصول" سہ ماہی اجتہاد، اسلامی نظریاتی کونسل، اسلام آباد (شمارہ نمبر ۵) مئی ۲۰۰۹ء، صفحات ۸۰۔

۵۱) "طلاق وحدت کے قرآنی و اجتہادی مسائل"، سہ ماہی التفسیر، کراچی شمارہ نمبر ۱۵، صفحات ۱۰۔

۵۲) "اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات پر چند گذارشات"، سہ ماہی التفسیر، کراچی شمارہ نمبر ۱۵، صفحات ۸۔

۵۳) "قرآن بطور ماخذ سیرت"، ششماہی الایام، کراچی، مجلس برائے تحقیق اسلامی تاریخ و ثقافت، شمارہ نمبر ۱، صفحات ۱۱

۵۴) "قوم، امت اور ملت۔قرآنی اطلاقات اور مسلم شناخت"، سہ ماہی اجتہاد، اسلامی نظریاتی کونسل، اسلام آباد، شمارہ نمبر ۶، جنوری ۲۰۱۰ء، صفحات ۱۵

ملکی وبین الاقوامی کانفرنسوں، سیمینارز میں شرکت، بحیثیت مقالہ نگار۔ وتوسیعی لیکچرز

۱۔علمی فقہی سیمینار، ۲۸ تا ۳۰ جون ۱۹۹۵ء "اعضاء کی پیوندکاری" شعبہ فقہ وقانون، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد۔ بعنوان: "**اعضاء کی پیوندکاری کی شرعی حیثیت**"

۲۔ بین الاقوامی سیمینار، یکم و ۲ مئی ۱۹۹۷ء "استاد شہید مطہری کے آثار ونظریات کا جائزہ" خانہ فرہنگ، اسلامی جمہوریہ ایران، کراچی، بعنوان: "**استاد مطہری کے منتخب تفسیری معارف اور علمی جائزہ**"۔

۳۔ختم نبوت سیمینار، ۲۱ تا ۲۲ جولائی ۱۹۹۷ء دفتر ثقافتی نمائندہ اسلامی جمہوریہ ایران، اسلام آباد۔ بعنوان: "**ختم نبوت قرآن کی روشنی میں**"

۴۔قومی سیرت سیمینار، ۲۷، ۲۸ مئی ۱۹۹۸ء، "حضور اکرم ﷺ امن وسلامتی" زیر اہتمام شعبہ عربی گورنمنٹ کالج فیصل آباد۔ بعنوان: "**حضور اکرم ﷺ اور معاشی تحفظ**"۔

۵۔ بین الاقوامی کانفرنس، ۱۵ تا ۱۹ اکتوبر ۱۹۹۸ء "امام ابوحنیفہ، سوانح حیات، افکار وخدمات" ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد۔ بعنوان: "**حنفی اصول الفقہ**"۔

۶۔چھٹی قرآن مجید وفرقان حمید کانفرنس، ۲۳ تا ۲۵ ستمبر ۱۹۹۸ء، بمقام گورنمنٹ پائلٹ سیکنڈری اسکول، ملتان۔بعنوان: "**اظہار رائے کی آزادی کا قرآنی تصور**"۔

۷۔ خواجہ غلام محی الدین غزنوی سیمینار، ۱۲ جون ۱۹۹۹ء زیر اہتمام محی الدین اسلامی یونیورسٹی (نیریاں) تراڑکھل آزاد کشمیر۔ بعنوان: "**تصوف۔۔تلاش احسن کی ہمہ گیر تحریک**"۔

۸۔ قومی سیرت سیمینار، ۲۳،۲۴ مئی ۲۰۰۳ء، زیر اہتمام مرکز تحقیق، فیصل آباد۔ بعنوان: ''**حضور اکرم ﷺ بحیثیت پیغمبر امن وسلامتی**''۔

۹۔ قومی سیرت سیمینار ۳،۴، جون ۲۰۰۶ء، زیر اہتمام مرکز تحقیق، فیصل آباد۔ بعنوان: ''**عورتوں کے معاشرتی مسائل اور ان کا حل**''۔

۱۰۔ جامعہ سفینہ (حیدری) کراچی میں توسیعی لیکچر، بعنوان: ''**عقیدہ وعمل کا باہمی تلازم**''، مؤرخہ ۱۰ جون ۲۰۰۶ء۔

۱۱۔ جامعہ امامیہ (ناظم آباد) کراچی (اہل تشیع کے قدیم تعلیمی مرکز) میں منعقدہ سیمینار ''نہج البلاغہ کی علمی وادبی عظمت'' میں بحیثیت مقرر ومقالہ نگار، بعنوان: ''**قرآن وسنت کی عظمت واتباع نہج البلاغہ کی روشنی میں**'' مورخہ ۱۴ اگست ۲۰۰۶ء۔

۱۲۔ انٹرنیشنل کانفرنس بعنوان ''**اسلام اینڈ اکنامکس، ایشوز**'' میں بحیثیت متکلم ومبصر شرکت زیر اہتمام اسلامی نظریاتی کونسل، اسلام آباد، حکومت پاکستان، بمقام دفتر اسلامی نظریاتی کونسل، مؤرخہ یکم، ۲ جون ۲۰۰۷ء۔

۱۳۔ ہائیر ایجوکیشن ریجنل آفس (کراچی) کے لیکچر ہال میں توسیعی لیکچر، بعنوان: ''**الہامی کتب اور قرآن مجید ...ایک تقابلی جائزہ**''، منعقدہ: ۱۹ جولائی ۲۰۰۷ء۔

۱۴۔ قرآن کانفرنس، ۴،۵،۶، اپریل ۲۰۰۸ء، زیر اہتمام اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور، اور عالمی رابطہ ادب اسلامی، بمقام یونیورسٹی بہاول پور، بعنوان: ''**تفسیر مظہر القرآن...تعارف وتبصرہ ایک اجمالی مطالعہ**''۔

۱۵۔ مباحثہ بعنوان ''**ٹیکنالوجی کی ضرورت کے موجودہ منظر نامے میں سماجی علوم کی اہمیت**'' (منعقدہ یکم جولائی ۲۰۰۸ء) شرکت بحیثیت متکلم، زیر اہتمام یونی کیریئرز انٹرنیشنل بمقام کانفرنس روم فیکلٹی آف آرٹس، یونیورسٹی آف کراچی۔

۱۶۔ لیکچر بعنوان ''**اسلام میں انسانی حقوق کا تصور**'' (۲۰ نومبر ۲۰۰۸ء) biztek (بزٹیک)

انسٹیٹیوٹ آف انفارمیشن ٹیکنالوجی، سٹی کیمپس، شارع فیصل، کراچی۔

۱۷۔ مباحثہ بعنوان'' **اسلامی نظریاتی کونسل کے حالیہ عائلی قوانین سے متعلق سفارشات** '' (۳۰ دسمبر ۲۰۰۸ء) بحیثیت مبصر ومقرر، زیر اہتمام عورت فاؤنڈیشن بمقام مہران ہوٹل کراچی۔

۱۸۔ لیکچر بحیثیت تبصرہ نگار، بر موقع تقریب رونمائی Turkey _ Emergence to "Modernism" مصنفہ، شیما ربانی زیر اہتمام، بی اے، ایم اے ایم۔ پی ای سی ایچ ایس گورنمنٹ کالج فار ویمن، کراچی (۲۲ /جنوری ۲۰۰۹ء)۔

۱۹۔ لیکچر بعنوان ''سیرت النبی ﷺ'' بمقام، پاکستان اسٹیل انسٹیٹیوٹ آف ٹیکنالوجی، (۱۹/مارچ ۲۰۰۹)۔

۲۰۔ لیکچر بعنوان ''**فضائے نبوت**'' بمقام جامعہ اسلامیہ کورے وال (ٹرسٹ) ٹیونیشیا لائن، جیکب لائن، کراچی (۲۲/مارچ ۲۰۰۹ء)۔

۲۱۔ سیمینار بعنوان سیرت نگاری۔ آغاز وارتقاء (تیسری صدی ہجری تک) میں بحیثیت مقالہ نگار شرکت۔ موضوع مقالہ ''**قرآن بطور ماخذِ سیرت**'' زیر اہتمام شعبہ اسلامی تاریخ، جامعہ کراچی، بمقام آڈیو ویژول سینٹر، کلیہ فنون جامعہ کراچی، (۲/اپریل ۲۰۰۹)۔

۲۲۔ توسیعی لیکچر بعنوان "Provesion of Famly Planing in Islam" بمقام سوشل ورک ڈپارٹمنٹ، جامعہ کراچی (۲۹/مئی ۲۰۰۹)۔

۲۳۔ توسیعی لیکچر بعنوان ''**رحمٰن کے بندوں کے اوصاف**'' زیر اہتمام، گلشن حدید فاؤنڈیشن، (۲۷ جون ۲۰۰۹ء)۔

۲۴۔ چار روزہ ورکشاپ میں بطور ماہر اسلامیات شرکت بعنوان، conservation and "Islam" (۱۰/اگست ۲۰۰۹ء) بمقام پولیس ہیڈ کوارٹر سعید آباد، کراچی زیر اہتمام، PWP پاکستان ویٹ لینڈ پروگرام، اسلام آباد۔

۲۵۔ توسیعی لیکچر بعنوان ''**قرآن اور دفاعی قوت کی اہمیت**'' بمقام ای کمپلیکس کالج، گلشن حدید فیز

۹ ،زیر اہتمام، گلشن حدید فاؤنڈیشن ، (۲۷ ستمبر ۲۰۰۹ء)

۲۶۔ مخدوم لطف اللہ نوح سرور ہالائیؒ کی قرآنی خدمات کی یاد میں منعقد ہونے والی قرآن کانفرنس میں بحیثیت مقرر شرکت بعنوان "برصغیر پاک و ہند میں اردو تراجم و تفاسیر کی تاریخ" زیر اہتمام خانہ فرہنگ ایران کراچی" (۲۰ اکتوبر ۲۰۰۹ء)

۲۷۔ توسیعی لیکچر بعنوان " منہاج تحقیق" بمقام جامعہ علیمیہ اسلامیہ (المرکز الاسلامی) ناظم آباد کراچی (۱۱ نومبر ۲۰۰۹ء)

۲۸۔ تین روزہ ورکشاپ میں بحیثیت مقرر شرکت بعنوان " تحفظ ماحول اور اسلام" مورخہ ۱۷ نومبر ۲۰۰۹ء، بمقام رینجرز ہیڈ کوارٹرز (ٹریننگ سینٹر اینڈ اسکول) کراچی، زیر اہتمام پاکستان ویٹ لینڈ پروگرام، اسلام آباد۔

۲۹۔ اور آرگنائزیشن فار ریسرچ اینڈ ایجوکیشن) کے قومی ڈائیلاگ فورم کے تحت سمپوزیم، بعنوان " ڈائیلاگ ۔ وقت کی ضرورت" بمقام میریٹ ہوٹل کراچی میں بطور آرگنائزر پروگرام کا انعقاد۔ مورخہ ۲۱ نومبر ۲۰۰۹

۳۰۔ دو روزہ قومی سیمینار بعنوان " امام اعظم ابو حنیفہ کی فقہی بصیرت اور اسلامی معاشرت کی تشکیل جدید" بتاریخ ۳۰/۳۱ جنوری ۲۰۱۰ء زیر اہتمام مرکز تحقیق، فیصل آباد، پنجاب۔ موضوع امام اعظم ابو حنیفہ کی قرآن فہمی کے چند نظائر"

مطبوعات

نمبر شمار : عناوین کتب / کتابچے ،سن اشاعت ،صفحات

۱۔ حروف مقطعات اور اس کے معارف ، ۱۹۸۷ ،صفحات ۳۲، ناشر: جامع مسجد فاروقی شاہ فیصل کالونی نمبر ۳ کراچی،

۲۔ اصول تفسیر و تاریخ تفسیر، ۱۹۸۸ ،صفحات ۱۰۱، ناشر: قمر کتاب گھر اردو بازار کراچی

۳۔ غزوہ بدر اور حضور اکرم کی جنگی حکمت عمل، ۱۹۹۲،صفحات ۳۲، ناشر: ادارہ ندائے خلق کراچی

۴۔ اصول حدیث و تاریخ حدیث ۱۹۹۳، صفحات ۲۲۸، ناشر: یونیورسٹی پبلی کیشنز اردو بازار کراچی

۵۔ آئمہ مجتہدین کے اختلافات اور انکی نوعیت ۱۹۹۴،صفحات ۱۶، ناشر: شعبہ نشر و اشاعت جامع مسجد نور مصطفیٰ ﷺ بسم اللہ ٹاؤن شاہ فیصل کالونی، کراچی

۶۔ اسلامی سائنس کے یورپ پر اثرات، ۱۹۹۴،صفحات ۱۶، ناشر: شعبہ نشر و اشاعت جامع مسجد نور مصطفیٰ ﷺ بسم اللہ ٹاؤن شاہ فیصل کالونی، کراچی

۷۔ کائنات کی مادی توجیہہ اور اسلامی معتقدات، ۱۹۹۴،صفحات ۱۶، ناشر: شعبہ نشر و اشاعت جامع مسجد نور مصطفیٰ ﷺ بسم اللہ ٹاؤن شاہ فیصل کالونی، کراچی

۸۔ تفہیم الاسلام (چند مغالطے اور انکے ازالے) ۱۹۹۴،صفحات ۲۰، ناشر: شعبہ نشر و اشاعت جامع مسجد نور مصطفیٰ ﷺ بسم اللہ ٹاؤن شاہ فیصل کالونی، کراچی

۹۔ تفسیر ماجدی پر تحقیقی نوٹ، ۱۹۹۴،صفحات ۲۰، ناشر: شعبہ نشر و اشاعت جامع مسجد نور مصطفیٰ ﷺ بسم اللہ ٹاؤن شاہ فیصل کالونی، کراچی

۱۰۔ منہاج تحقیق (نوآموز تحقیق کاروں کے لیے) ۱۹۹۴،صفحات ۳۰

۱۱۔ قرآن مجید کے آٹھ منتخب اردو تراجم کا تقابلی جائزہ ،صفحات ۲۶۴، ناشر: یونیورسٹی پبلی کیشنز اینڈ ایجوکیشنل ایڈوٹیشن سینٹر اردو بازار کراچی، ۲۰۰۷ء

بطور ریسرچ سپروائزر

اسماء عناوین شعبہ سنہ داخلہ

۱۔ محمد سہیل شفیق، "جامعہ نظامیہ (بغداد) کا علمی وفکری کردار (۴۵۷ھ تا ۶۵۶ھ) ایک تحقیقی جائزہ"، شعبہ اسلامی تاریخ، جامعہ کراچی ۲۰۰۲ء ڈگری ایوارڈ مورخہ ۱۹ نومبر ۲۰۰۹ء

۲۔ سید وحید الرحمن، "اسلامی جمہوریہ پاکستان کی ابلاغیاتی پالیسی اور ذرائع ابلاغ کا کردار قرآن وسنت کی روشنی میں" ماابلاغ عامہ، وفاقی اُردو یونیورسٹی ۲۰۰۳ء، ڈگری ایوارڈ مورخہ ۲۱ نومبر ۲۰۰۹ء۔

۳۔ شاکر حسین خان، "پیر محمد کرم شاہ الازہری کی علمی و دینی خدمات"، شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی، ۲۰۰۲ء، ڈگری ایوارڈ ڈگر مورخہ ۱۱ دسمبر ۲۰۰۹ء

☆☆☆☆☆

۴۔ حبیب الرحمن، "بیسویں صدی عیسوی میں فکر اسلامی کے احیاء میں تفسیر فی ظلال القرآن"، شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی، ۲۰۰۳ء

۵۔ محمد صادق، "مفتی شیخ محمد عبدہ کے تفسیری افکار"، شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی، ۲۰۰۴ء

۶۔ ڈاکٹر عبدالحئی، "بنگلہ دیش کے مفسرین کی تفسیری خدمات"، شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی، ۲۰۰۵ء

۷۔ سید غضنفر احمد، "بابا ذہین شاہ تاجی کی علمی وروحانی خدمات"، شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی، ۲۰۰۵ء

۸۔ انوار اللہ یحییٰ، "سید محمد اسماعیل شاہ بخاری المعروف حضرت کرماں والے کی حیات وخدمات"، شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی، ۲۰۰۶ء

۹۔ صبا یوسف، "مختلف مذاہب میں جنت و دوزخ کی حقیقت انسانی اعمال و کردار پر اس کے اثرات"، شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی، ۲۰۰۶ء

۱۰۔ شاہدہ بیگم، "پاکستان میں علماء کا سیاسی کردار (۱۹۷۰ء تا 2005) "شعبہ سیاسیات، جامعہ کراچی، ۲۰۰۶ء

۱۱۔ راشدہ پروین، "غزوات و سرایا میں آنحضرت ﷺ کی عسکری و سیاسی حکمت عملی کا تحقیقی جائزہ"، شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی، ۲۰۰۶ء

۱۲۔ شیما ربانی، "تاریخ اسلام کی روشنی میں تصوف کا ارتقاء" شعبہ اسلامی تاریخ، جامعہ کراچی، ۲۰۰۶ء

۱۳۔ آمنہ آفرین، "اسلامی فکر کے ارتقاء میں منتخب مفکرین اسلام کی علمی خدمات کا تحقیقی جائزہ (بیسویں صدی کے حوالے سے)" شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی، ۲۰۰۶ء

۱۴۔ زہرہ بتول، "اسلام کا تصور اجتہاد، (خطبات اقبال کی روشنی میں) ایک تحقیقی اور تنقیدی جائزہ"، شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی، ۲۰۰۷ء

۱۵۔ محمد اسحٰق، "امام خمینی کی شخصیت اسلامی انقلاب کے رہبر کی حیثیت سے"، شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی، ۲۰۰۷ء

۱۶۔ موسیٰ عراقی "المطابقة بين العلوم والاكتشافات الحديثة والآيات القرآنية، شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی، ۲۰۰۷ء

۱۷۔ محمد اقبال" قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی تفسیری خدمات اور صوفیانہ رجحانات (تفسیر مظہری کی روشنی میں علمی وتحقیقی جائزہ) "شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی، ۲۰۰۷ء

۱۸۔ پروفیسر غلام مہدی "مسلک نوربخش، تاریخ وتعلیمات" شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی، ۲۰۰۷ء

۱۹۔ محمد ناصر "موطا محمد کی روشنی میں امام مالک اور امام محمد کا تقابلی مطالعہ" شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی، ۲۰۰۷ء

۲۰۔ خواجہ محمد عمیر "اسلامی اصول قوانین اور مغربی تصور قانون کا تقابلی جائزہ۔ دور حاضر کے حوالے سے" شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی، ۲۰۰۷ء (داخلہ برائے ایم فل)

اجتہاد

ہم ٹی وی پر رمضان المبارک میں براہ راست نشر ہونے والے پروگراموں کے عنوانات، جس میں بحیثیت میزبان وریسرچ اسکالر شرکت کی۔ (ستمبر / اکتوبر ۲۰۰۸)

۱۔ رمضان کے مسائل (دو پروگرام)

۲۔ زکوۃ کے مصارف

۳۔ اسلام کا قانون نکاح

۴۔ اسلام کا قانون طلاق

۵۔ دہشت گردی اور اسلام

۶۔ تعلیم ___ عورت کا حق ہے

۷۔ اعضاء کی پیوند کاری

۸۔ اجتہاد کی ضرورت، اہمیت اور حقیقت

۹۔ اجتہاد ___ اسلام کی ایک گمشدہ روایت

۱۰۔ بہبود خاندان کا اسلامی تصور

۱۱۔ حقوق والدین اور حقوق زوجین کے مابین توازن

۱۲۔ عصر حاضر میں تراویح

۱۳۔ خواتین کی گواہی

۱۴۔ خلع اور فسخ نکاح میں عدالت کا کردار

۱۵۔ جہاد ___ اقدامی یا دفاعی

١٦۔ اعتکاف
١٧۔ جیل کے احکام و مسائل
١٨۔ قرآن، سنت، حدیث اور روایت میں فرق
١٩۔ لیلۃ القدر اور نزول قرآن حکیم
٢٠۔ توبہ کی حقیقت اور ضرورت
٢١۔ رویتِ ہلال
٢٢۔ اسلامی حکومت کی معاشی ذمہ داریاں

ہم آج اور قرآن

ہم ٹی وی پر رمضان المبارک میں براہِ راست نشر ہونے والے سحری کے پروگراموں کے عنوانات، جس میں بحیثیت ریسرچ اسکالر شرکت کی۔ (اگست / ستمبر ٢٠٠٩ء)

١۔ قرآن کی ضرورت اور اہمیت (تین پروگرام)
٢۔ قرآن کی روشنی میں عالم کون؟
٣۔ ماحولیات اور اس کا تحفظ
٤۔ عذابِ الٰہی اور قدرتی آفات میں فرق
٥۔ مکالمے کے آداب
٦۔ ازدواجی زندگی کے مسائل (دو پروگرام)
٧۔ منشیات اور اس کے اثرات
٨۔ لباس اور زینت کے اسلامی احکام
٩۔ بیرونِ خانہ زندگی میں خواتین کا کردار
١٠۔ تعلیم ـــ ہر انسان کا حق ہے
١١۔ تحقیق اور جستجو کی اہمیت
١٢۔ ولی اللہ کی پہچان (دو پروگرام)
١٣۔ غیر مسلموں کے حقوق، قرآن کی روشنی میں
١٤۔ خاندانی نظام، قرآن کی روشنی میں (دو پروگرام)
١٥۔ مساجد کی اہمیت اور کردار، آج اور کل

۱۶۔ قرآن ـــ انسانیت کا دستور

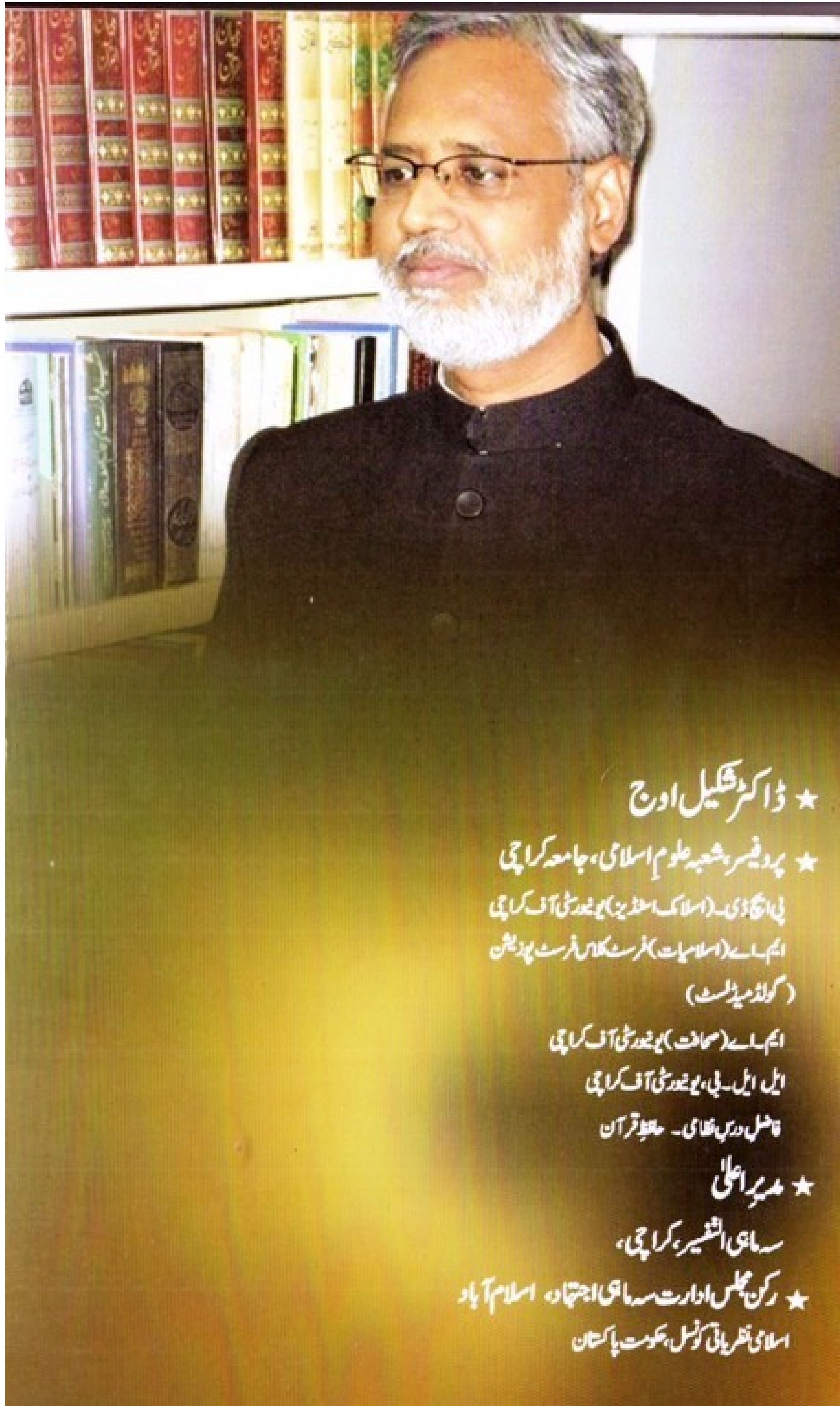
۱۷ معاش، معیشت اور اسلامی بینکنگ

۱۸۔ قرآن سے استفادہ کا طریقہ (دو پروگرام)

۱۹۔ معاشرتی برائیاں (دو پروگرام)

۲۰۔ قرآن ـــ علم کا سمندر ہے

۲۱۔ رویتِ ہلال


★ ڈاکٹر شکیل اوج
★ پروفیسر شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی
پی ایچ ڈی۔ (اسلامک اسٹڈیز) یونیورسٹی آف کراچی
ایم اے (اسلامیات) فرسٹ کلاس فرسٹ پوزیشن
(گولڈ میڈلسٹ)
ایم اے (صحافت) یونیورسٹی آف کراچی
ایل ایل۔ بی، یونیورسٹی آف کراچی
فاضل درس نظامی۔ حافظ قرآن
★ مدیر اعلیٰ
سہ ماہی التفسیر، کراچی،
★ رکن مجلس ادارت سہ ماہی اجتہاد، اسلام آباد
اسلامی نظریاتی کونسل، حکومت پاکستان